# القرض

(اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا فائدہ)


| نمبر شمار | عنوانات | صفحہ |
|---|---|---|
| ۱ | تمہید | ۷ |
| ۲ | احکام دین میں شک ہونے کی وجہ | ۸ |
| ۳ | وعظ کہنے کی تحریک | ۹ |
| ۴ | انتخاب آیات برائے مواعظ | ۱۰ |
| ۵ | آیات قرآنی کی جامعیت | ۱۱ |
| | آیات قرآنی میں رعایت ترتیب نہ ہونے کی وجہ | ۱۲ |
| ۶ | مضامین قرآن شفقت الٰہی کا مظہر ہیں | ۱۳ |
| ۹ | قرآنی آیات میں ترتیب اور شفقت دونوں جمع ہیں | ۱۴ |
| ۱۰ | ہماری ملکیت کی حقیقت | ۱۵ |
| ۱۱ | ہماری ملکیت انتظام تمدّن کے لئے | ۱۷ |
| ۱۲ | شریعت کی خوبی | ۱۸ |
| ۱۳ | نسبت کا لحاظ | ۱۹ |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۴ | ہماری جان بھی اللہ کی ملک ہے | ۲۱ |
| ۱۵ | لطیفہ | ۲۱ |
| ۱۶ | رحمت الٰہی | ۲۲ |
| ۱۷ | خرچ کرنے میں مواقع کا لحاظ | ۲۲ |
| ۱۸ | دینی ضرورتوں میں خرچ کا معیار | ۲۳ |
| ۱۹ | رقم قرض دینے کا فائدہ | ۲۴ |
| ۲۰ | اللہ کی عطا و مہربانی | ۲۷ |
| ۲۱ | اللہ تعالیٰ کا حِلم | ۳۰ |
| ۲۲ | تفسیری نکتہ | ۳۱ |
| ۲۳ | آیت کی بہترین تفسیر | ۳۲ |
| ۲۴ | حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حالت | ۳۳ |
| ۲۵ | "شکور" اور "حلیم" کی قید کا فائدہ | ۳۳ |
| ۲۶ | نقل بمطابق اصل کی رعایت | ۳۴ |
| ۲۷ | تفسیر آیت | ۳۵ |
| ۲۸ | رفع شبہات | ۳۶ |
| ۲۹ | ہماری بدحالی کی مثالیں | ۳۷ |

| | | |
|---|---|---|
| ۳۰ | احمق بوڑھا | ۳۸ |
| ۳۱ | فرقہ ناجیہ | ۳۹ |
| ۳۲ | عقائد میں ہماری کوتاہیاں | ۳۹ |
| ۳۳ | عقیدہ توحید میں کوتاہی | ۴۰ |
| ۳۴ | عقیدہ رسالت میں کوتاہی | ۴۱ |
| ۳۵ | اعمال میں ہماری کوتاہائیاں | ۴۱ |
| ۳۶ | معاملات میں کوتاہی | ۴۲ |
| ۳۷ | معاشرت میں کوتاہیاں | ۴۳ |
| ۳۸ | اخلاقی کوتاہیاں | ۴۳ |
| ۳۹ | ہم پر عذاب نہ آنا رحمت خداوندی ہے | ۴۴ |
| ۴۰ | اشکال کا جواب | ۴۴ |
| ۴۱ | شبہ کا جواب | ۴۵ |
| ۴۲ | کفار کے غلبہ کی وجہ | ۴۶ |
| ۴۳ | مصیبت کے متفرق اسباب | ۴۷ |
| ۴۴ | مسلمانوں کی آزمائش | ۴۹ |
| ۴۵ | مسلمانوں پر مصائب میں حکمتیں | ۵۱ |

| | | |
|---|---|---|
| ۴۶ | علاج مصیبت | ۵۳ |
| ۴۷ | لوگوں کے اشکالات کا جواب | ۵۳ |
| ۴۸ | اصل مقصود | ۵۴ |
| ۴۹ | عدم قبولیت دعا کی وجہ | ۵۶ |
| ۵۰ | آیت سے استشہاد | ۵۸ |
| ۵۱ | مثنوی کے اشعار سے شبہات کا جوب | ۵۸ |
| ۵۲ | مولوی صاحب کے اشکال جواب | ۶۰ |
| ۵۳ | اختتام وعظ | ۶۰ |

وعظ

# القرض

(اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا فائدہ)

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ نے جنگ بلقان میں ترک مسلمانوں کی شکست پر ہونے والے اشکالات کو رفع کرنے کے لئے۔ وعظ ''القرض'' ۳/ ربیع الثانی ۱۳۳۱ھ کو دہلی کی جامع مسجد میں پہلے بیٹھ کر پھر کھڑے ہوکر دو گھنٹے 54 منٹ تک بیان فرمایا۔

حضرت مولانا سعید احمد تھانوی نوراللہ مرقدہ نے قلم بند فرمایا۔ راہ خدا میں خرچ کرنے کی فضیلت اور مسلمانوں کی شکست اور ان پر آنے والے مصائب پر پیدا ہونے والے اشکالات کا شافی کافی جواب ارشاد فرمایا۔ آج کل مسلمانوں پر جو مصائب و پریشانیاں آرہی ہیں ان کی وجہ اور علاج اس وعظ سے سمجھ میں آسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو استفادہ کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین

خلیل احمد تھانوی

۱۰/ اکتوبر ۲۰۱۱ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

## خطبۂ ماثورہ

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ ونستغفرہٗ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد انّ سیدنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ و بارك وسلم **اما بعد:**

فاعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

﴿ اِنۡ تُقۡرِضُوا اللّٰہَ قَرۡضًا حَسَنًا یُّضٰعِفۡہُ لَکُمۡ وَیَغۡفِرۡ لَکُمۡ ؕ وَاللّٰہُ شَکُوۡرٌ حَلِیۡمٌ عٰلِمُ الۡغَیۡبِ وَالشَّہَادَۃِ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴾ (۱)

## تمہید

صاحبو! یہ آیتیں سورۂ تغابن کے خاتمہ کی ہیں اور قبل اس کے کہ ان کے متعلق کچھ بیان کیا جائے اور مقصود کی تعیین کی جائے ان کے متعلق جو قصد اس وقت پیش آیا ہے اس کو عرض کرنا چاہتا ہوں تا کہ معلوم ہو جائے کہ خدائی حکمتوں کی کیا شان ہوتی ہے۔ قصہ مختصر یہ کہ میں وطن میں تھا کہ میرے پاس دہلی سے خط گیا جس کا مضمون یہ تھا کہ آجکل مسلمانوں کو پریشانی زیادہ ہے اور ان کو طرح طرح

(۱) ''اگر تم اللہ تعالیٰ کو اچھی طرح (یعنی خلوص کے ساتھ) قرض دو گے تو وہ اس کو تمہارے لئے بڑھاتا چلا جاوے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑا قدردان ہے (کہ عمل صالح کو قبول فرماتا ہے اور) بڑا بردبار ہے پوشیدہ اور ظاہر (اعمال) کا جاننے والا (اور) زبردست ہے (اور) حکمت والا ہے) سورۂ التغابن۔

کے وسوسے پیدا ہوتے ہیں اور اس کا اثر شدہ شدہ(۱) عقائد پر ہوتا ہے اس لئے اس کی ضرورت ہے کہ یہاں آکر وعظ کے ذریعہ سے ان شبہات کو دفع کیا جائے۔ یہ الفاظ کا حاصل تھا جو کہ میں سمجھا تھا۔

## احکامِ دین میں شک ہونے کی وجہ

جس کا خلاصہ یہ تھا کہ اس وقت مسلمانوں کی پستی اور تنگی کی حالت ہے جس سے پریشانی پیدا ہوئی اور اس کا یہ اثر ہوا کہ ان کو شریعت میں شکوک پیدا ہونے لگے۔ مگر خوب سمجھ لو کہ ان کو جو یہ شکوک ہوئے اس کا منشا عدم واقفیت علی الحقائق ہے(۲) کیونکہ جس کو حقائق پر اطلاع ہوجاتی ہے اس کو کبھی قیامت تک شریعت میں شک نہیں ہوسکتا۔ کلام الٰہی میں جس کسی کو شک ہوا ہے وہ اسی عدم واقفیت حقائق سے پیدا ہوا ہے اسی لئے تو بڑے بڑے دعوے کے ساتھ صاف طور سے فرمادیا: (ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ )(۳) حضرات! ایسا پرزور دعویٰ ایسی حالت میں کہ اس کی تکذیب کرنے والے(۴) ہزاروں آدمی موجود ہوں کوئی نہیں کرسکتا۔ یہ شوکت اور زور خاصہ کلام الٰہی کا ہے غرض باوجود بہت سے شاکین کے موجود ہنے کے(۵) لاریب فیہ (۶) فرمانا دلیل ہے۔ اس بات کی کہ یہ شک جوان لوگوں کو پیدا ہوا بوجہ عدم تدبر کے ہوا ہے۔ تو حقیقت میں یہ شک کلام الٰہی میں نہیں بلکہ خود ان میں شک کا منشا موجود ہے۔ اسی طرح اس وقت اس حالت سے بھی جن لوگوں کو شریعت میں شک پیدا ہوا ہے اس کا منشاء ان لوگوں کی عدم واقفیت علی الحقیقت ہے شریعت بالکل محل شک واقع میں نہیں۔ تو میرے پاس اس مضمون کا خط گیا تھا کہ یہاں آکر مسلمانوں کے شبہات دفع کئے جائیں جس کے

(۱) آہستہ آہستہ عقائد پر ہوتا ہے (۲) حقائق سے ناواقفی ہے (۳) یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ البقرہ/۲ (۴) جھٹلانے والے (۵) بہت سے شک کرنے والوں کی موجودگی کے باوجود (۶) اس میں کوئی شک نہیں۔

جواب میں میرا ارادہ خط ہی لکھنے کا تھا خود آنے کا ارادہ نہ تھا کیونکہ ایک دو وعظ میں سامعین حقائق سے واقف نہیں بن سکتے اور جب تک یہ واقفیت حاصل نہ ہو شک کا ازالہ نہیں ہوسکتا اس لئے میں وعظ کے لئے اپنے آنے کو بے سود سمجھتا تھا۔(۱)

## وعظ کہنے کی تحریک

مگر اتفاق سے ایک مقام سے میرے بلانے کی تحریک پہلے سے ہورہی تھی جس کا راستہ دہلی ہوکر تھا اس لئے میں دہلی آیا اور یہاں آکر احباب سے ملاقات کی اور اس خط کا حاصل اور اپنا جواب عرض کیا مگر بعد مشورے کے یہ بات قرار پائی کہ ایک وعظ دہلی میں بھی ضرور ہونا چاہیئے جس سے تمام شکوک کا ازالہ نہ ہوگا تو کم از کم اپنی غلطی پر کسی درجہ میں تو متنبہ ہوجائیگا اس لئے میں نے اپنے سفر کے حساب کو بڑھا کر اس بات کو منظور کرلیا، اگرچہ اس صورت میں میرا سابق حساب سفر غلط ہوگیا ہے۔ لیکن اس کا احسان کسی پر نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کا احسان ہے کہ وہ مجھ سے یہ کام لے لیں اور میں نے اس کے متعلق آیات بھی چھانٹ لی تھیں جو ان آیتوں کے علاوہ تھیں جو میں نے اس وقت تلاوت کی ہیں مگر اس تبدیل کا یہ سبب ہوا کہ جب میں نے وعظ کہنا منظور کرلیا تو احباب نے بطور مشورہ کے یہ بھی فرمایا کہ اس وقت اگر چندہ کے متعلق بھی کچھ ذکر ہوجائے تو مناسب ہو اس وقت تو میں نے اس مشورہ کو منظور نہ کیا اور یہ کہدیا کہ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی بلکہ اس موقع پر خالص مقصود مذکور ہی کا وعظ ہونا مناسب ہے لیکن انہوں نے فرمایا کہ ایسے موقعہ پر مسلمان خود منتظر رہتے ہیں کہ کچھ تحریک ہو تو دیں۔ چونکہ میری اس رائے کی وجہ یہ تھی کہ شاید تحریک چندہ سے سامعین پر گرانی ہو جب میرا اس طرح اطمینان کردیا گیا کہ سامعین ایسے مواقع میں اس کے منتظر ہوتے ہیں تو میں کسی قدر اس وقت نرم ہوگیا لیکن چونکہ میں اس بات کو عام نہ سمجھتا تھا بلکہ یہ

(۱) بیکار سمجھتا تھا۔

احتمال باقی تھا کہ شاید بعض پر اس کی گرانی ہو اس لئے میرا یہ قصد تھا کہ اس موقع کے بعد الگ کسی وقت تحریک چندہ کی کردوں گا۔ چنانچہ جمعہ کے روز میں نے اس کا بیان بھی کیا تھا اور اسی روز یہ وعدہ بھی کرلیا تھا کہ انشاء اللہ جلسہ عظیم میں یہ بیان نہ ہوگا۔

## انتخاب آیات برائے مواعظ

اس کے بعد پھر مشورہ ہوا اور یہ تجویز قرار پائی کہ مقصوداً تو مضمون وعظ یعنی ازالہ شبہات کا بیان ہو اور تبعاً چندہ کا بھی ذکر کردیا جاوے میں اس حالت کو لے کر یہاں سے چلا گیا اور جہاں گیا وہاں اس کے قبل کی آیت کو پڑھا اور تتمیم کلام کے لئے (۱) اس کے قبل کی آیت کو بھی پڑھ دیا تھا پڑھتے ہی خیال آیا کہ یہ جو تین آیتیں اس وقت خود بخود منجانب اللہ تلاوت ہوگئیں تو عجب نہیں کہ یہ اشارہ غیبی ہو اس بات کی طرف کہ انہیں تین آیتوں کو اس سفر میں بیان کیا جائے تو پہلی آیت: ﴿اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ الخ﴾ سیولی میں بیان ہوگئی اس کے بعد دوسری آیت فیروز آباد میں بیان ہوئی اور وہ وہاں کے مناسب معلوم ہوئی یہ اخیر کی آیت رہ گئی دہلی کے لئے جس کو میں نے اس وقت تلاوت کیا یہ تھا قصہ ان آیتوں کے اختیار کرنے کے متعلق۔ تو اب اس اشارۂ غیبی کے بعد میں یہ سمجھا کہ شاید میری وہ رائے چندہ کے متعلق بیان نہ ہو مناسب نہ ہوگی گو وہ میری رائے مصالح پر مبنی تھی (۲) مگر اشارہ غیبی کے سامنے سب مصالح گرد ہیں اسی لئے میں نے چندہ کو جزو مقصود قرار دے کر بیان شروع کیا اور دوسری آیات کو نہیں تلاوت کیا اور اس آیت سے بظاہر پہلے مقصود کا پتہ بھی نہیں معلوم ہوتا چنانچہ ترجمہ آیت سے ظاہر ہے کہ اگر تم حق تعالیٰ کو اچھا قرضہ دوگے تو وہ اس کو تمہارے لئے دوچند کردیں گے (۳) اور تمہاری مغفرت فرماویں گے اور حق تعالیٰ شانہ قدردان ہیں صاحبِ

(۱) بات مکمل کرنے کیلئے (۲) اگرچہ میری اس رائے میں بہت سی مصلحتیں تھیں (۳) کئی گنا بڑھادیں گے۔

حلم ہیں جاننے والے ہیں پوشیدہ وظاہر کے غالب صاحب حکمت ہیں اس ترجمہ کو سنکر ہی آپ نے اندازہ کرلیا ہوگا کہ وہ پہلے مقصود یعنی ازالہ شبہات اس میں کہیں مذکور نہیں۔ مگر میں آپ کو اطمینان دلاتا ہوں کہ وہ مقصود بھی انہی آیات سے پیدا ہوجائے گا چاہے دوسرا مضمون غالب ہو مگر وہ اصلی مقصود بالکل غائب بھی نہیں۔

## آیات قرآنی کی جامعیت

بات یہ ہے کہ قرآن شریف کی ہر آیت جامع ہے اگر ایک مضمون اس میں بعبارت نص مذکور ہوتا ہے تو بہت سے مضامین باشارۃ النص و بدلالۃ النص وباقتضاء النص (۱) اس سے نکل آتے ہیں چنانچہ میں اسی آیت سے دونوں مقصودوں کو مرتبط کر کے دکھلا دوں گا۔ پس میرے بیان کے دو جزو ہوں گے ایک تو تحریک قرضہ کی اور دوسرے ان شبہات کا زائل کرنا جو اس وقت مسلمانوں کے قلوب میں اس واقعہ خاص کی وجہ سے پیدا ہو رہے ہیں جو کہ بظاہر ان آیات کا مدلول نہیں معلوم ہوتا مگر حقیقت میں بعد غور کے معلوم ہوجائے گا کہ اس جگہ وہ بھی موجود ہے اور راز اس میں (یعنی جامعیت کلام الٰہی میں) یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کا خطاب اپنے بندوں کے ساتھ ایسا ہے جیسا کہ باپ کا خطاب بیٹے سے ہوا کرتا ہے کہ اس میں مصنفین کی طرح ترتیب مضامین کی رعایت نہیں کی جاتی مصنفین تو پہلے ایک باب کو ذکر کرتے ہیں پھر دوسرے کو چنانچہ کتب فقہ کو دیکھئے تو پہلے کتاب الصلوۃ ہے پھر کتاب الزکوٰۃ پھر کتاب الحج علی ہذا القیاس (۲) ہر فن کی کتاب میں اسی طرح ترتیب ابواب وفصول کی رعایت ہوتی ہے۔

---

(۱) قرآن کریم سے جو مسائل مستنبط کئے جاتے ہیں اس کے یہ چار طریقے ہیں کوئی مسئلہ عبارت سے صراحتاً نکلتا ہے کوئی اشارۃ سے کوئی بطور دلالت کے اور کوئی نص کے مقتضی سے معلوم ہوتا ہے (۲) اسی طرح باقی کو سمجھ لیا جائے۔

# آیات قرآنی میں رعایت ترتیب نہ ہونے کی وجہ

آجکل لوگ اسی ترتیب کو قرآن شریف میں تلاش کرتے ہیں اور جب نہیں پاتے تو اسے نظر عظمت سے نہیں دیکھتے۔ یا کم از کم ان کے دلوں میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کیا بات ہے کہ مضامین قرآنیہ میں ترتیب مرعی نہیں (۱) وجہ اس کی یہ ہے کہ آپ نے کلام اللہ پر نظر صحیح نہیں کی آپ نے یہ سمجھا کہ خدا تعالیٰ کو آپ کی ساتھ ضابطہ کا تعلق ہے جیسا کہ آپ کو خدا سے ہے سو یہ باضابطہ تعلق آپ ہی کو مبارک ہو خدا تعالیٰ آپ سے اس کا انتقام نہیں لیتے آپ ہزار بے تعلق کریں لیکن اُدھر سے وہی خصوصیت کا علاقہ ہے تو جب یہ سمجھ میں آ گیا کہ حق تعالیٰ شانہ کو مخلوق کے ساتھ رحمت خاصہ کا تعلق ہے تو اس کا ثمرہ یہی ہونا چاہئے کہ اس کے خطاب میں ترتیب ابواب کا لحاظ نہ ہو کیونکہ شفقت کا خاصہ یہی ہے کہ جب کوئی مرض دیکھا جائے تو اسی وقت اُس کا علاج کیا جائے اور اس مرض کے علاج میں دوسرے امراض کی بھی رعایت رکھی جائے جیسے باپ کی حالت ہوتی ہے کہ جب بچہ سے ایک خطا دیکھی (۲) اس کی اصلاح کر دی اور اسی وقت دوسری خطا کا علم ہو گیا تو اس کی بھی اصلاح کر دی مثلاً باپ نے بچہ کو دیکھا کہ وہ کھیل کود میں وقت ضائع کر رہا ہے پڑھتا نہیں اس وقت جوش شفقت سے اس کو بلا کر نصیحت کرنی شروع کی تو اگرچہ اس کو جوش ہوا اس کے نہ پڑھنے سے اور کھیل میں وقت ضائع کرنے سے مگر وہ اس کو اس طرح نصیحت کرتا ہے کہ بیٹا کھیل میں وقت ضائع نہیں کیا کرتے تعلیم میں کوشش کرنی چاہیئے۔ اخلاق مہذب کرنے چاہئیں۔ اخلاق رذیلہ (۳) سے بچنا چاہئے دیکھو نماز بھی پڑھا کرو تلاوت قرآن بھی کیا کرو علی ہذا القیاس وہ اپنی نصیحت میں صرف اس ایک مرض کا علاج نہیں کرے گا۔ جس پر اس کی شفقت کو

(۱) آیات قرآنی میں ترتیب کی رعایت نہیں (۲) غلطی (۳) برے اخلاق۔

جوش پیدا ہوا بلکہ اس کے ساتھ میں اس کے دیگر امراض کا بھی علاج کرنا چاہے گا۔ جن کا کہ اس کو علم ہے اور اس خطاب میں ہرگز وہ ترتیب کی رعایت نہیں کرسکتا کیونکہ شفقت اس بات کو چاہتی ہے کہ اس کا بیٹا مہذب اور تمام عیبوں سے پاک ہوجائے جتنے اس میں عیب ہوں سب پر تنبیہ کردی جائے ترتیب بیان باقی رہے یا نہ رہے اس سے آپ کی سمجھ میں آگیا ہوگا کہ شفیق کے کلام میں ایک ہی وقت میں مختلف مضامین ہوا کرتے ہیں تو مصنفین کا کلام تو جامع ہونا ضروری نہیں لیکن شفیق کا کلام ضرور جامع ہوگا۔

## مضامین قرآن شفقت الٰہی کا مظہر ہیں

چنانچہ قرآن شریف کا یہی طرز ہے اقیموا الصلوٰۃ کے ساتھ اٰتو الزکوٰۃ بھی مذکور ہے پھر خشوع کی بھی تعلیم ہے پھر علم بے عمل پر ملامت بھی ہے پھر نماز کی گرانی دفع کرنے کا طریقہ بھی مذکور ہے تو بظاہر یہ سب مضامین الگ الگ ہیں کوئی کتاب الصلوٰۃ کا ہے کوئی کتاب الزکوٰۃ کا کوئی کتاب الاخلاق کا کوئی باب الرقاق (۱) کا مگر چونکہ حق تعالیٰ شانہ شفیق ہیں اس لئے ان کے کلام میں حسب ضرورت مضامین مختلف ضرور ہونے چاہئیں اس کی ایسی مثال ہے کہ ایک حکیم صاحب نسخہ لکھوا رہے تھے کہ اس درمیان میں مریض کو نارنگی کھاتے دیکھا بیچ میں پرہیز کی بھی تعلیم کردی اور دیر تک یہی سلسلہ جاری رہا۔ پھر نسخہ لکھوانے لگے اب اگر کوئی مریض اعتراض کرے کہ یہ عجیب بے جوڑ کلام ہے کہ ابھی تو گل بنفشہ گاؤزبان بتلا رہے تھے ابھی نارنگی کی مضرتوں (۱) کا ذکر ہونے لگا تو اس شخص نے قدر نہیں کی طبیب کی شفقت کی کیا طبیب سے آپ کو اس کا انتظار ہے کہ جب آپ پوچھیں اُسی وقت پرہیز بتلاویں اور نسخہ لکھواتے ہوئے اگر آپ کو زہر

(۱) کوئی مسئلہ نماز سے متعلق کوئی زکوٰۃ سے متعلق کوئی اخلاق سے متعلق اور کوئی غلام آزاد کرنے سے متعلق ہے

(۲) نارنگی کے نقصانات۔

کھاتے ہوئے دیکھیں تو بوجہ اس کے کہ اس سے ترتیب نسخہ میں خلل آتا ہے بیچ میں منع نہ کریں اگر طبب سے بھی آپ ایسے ہی برتاؤ کی درخواست کرتے ہیں تو واللہ آپ نے طبیب کی کچھ بھی قدر نہ کی اور یوں کہا جاوے گا کہ آپ کو شفاء مطلوب ہی نہیں بلکہ محض رعایت الفاظ کی مقصود ہے۔ پس غضب ہے کہ خدا تعالیٰ کے کلام میں اس قسم کے شبہات کئے جاتے ہیں اور یوں چاہتے ہیں کہ حق تعالیٰ کا برتاؤ ہمارے ساتھ غیروں کا سا ہو پس اس تقریر سے یہ بات واضح ہوگئی کہ کلام الٰہی میں ترتیب کا ہونا ضروری نہ تھا۔

## قرآنی آیات میں ترتیب اور شفقت دونوں جمع ہیں

لیکن حق تعالیٰ کی قدرت ہے کہ باوجود طرز شفقت کے اختیار کرنے کے پھر بھی ترتیب اس کے کلام میں موجود ہے ہم لوگ اس سے عاجز ہیں مخلوق کے کلام میں اگر طرز شفقت ہوگا تو ترتیب نہ ہوگی اور ترتیب ہوگی تو شفقت کا انداز نہ ہوگا بلکہ باضابطہ کلام ہوگا مگر یہ کلام الٰہی ہی کی شان ہے کہ باوجود کامل انداز شفقت کے پھر بھی کلام موتیوں کی لڑی ہے کہ کہیں بے ربط نہیں چنانچہ جو کتابیں وجہ ربط میں تصنیف ہوئی ہیں(۱) ان کے مطالعہ سے یہ بات بخوبی معلوم ہوسکتی ہے۔ اس تقریر سے میرا مقصود یہ ہے کہ بوجہ شفقت کے کلام اللہ میں ہر جگہ جامعیت ہے۔ چنانچہ ان آیات میں بظاہر اُن شبہات کا جواب نہیں معلوم ہوتا ہے جن کے ازالہ کا اس وقت قصد ہے لیکن غور کرنے سے معلوم ہوجائے گا کہ اس آیت میں ظاہراً قرضہ کی ترغیب دی ہے لیکن دوسرے جزو سے بھی (۲) کلام اللہ خالی نہیں ہے۔ چنانچہ میں ان آیتوں سے دونوں کو بیان کروں گا اور یہ قدرتی بات ہے کہ آیت میں ان دونوں مقصود کی ترتیب بدل گئی ہے جو چیز میرے خیال میں مقدم تھی (یعنی جواب شبہات) وہ آیت میں مؤخر ہے (۳) اور تابع ہے اور جو

(۱) جن کتابوں میں قرآنی آیات کی ترتیب میں باہم ربط کو ذکر کیا گیا ہے ان کے مطالعہ سے قرآنی آیات کا مرتب ہونا معلوم ہوسکتا ہے۔ (۲) ازالہ شبہات (۲) بعد میں ہے۔

چیز میرے ذہن میں موخر تھی۔ (یعنی ترغیب چندہ) وہ آیت میں مقدم ہے (۱) اور متبوع ہے مگر قدرت کا مقابلہ کرے کون؟ جب اشارہ غیبی اسی طرح ہے تو سر آنکھوں پر میں بھی اسی ترتیب سے دونوں کو بیان کروں گا تو یہ تھا وہ قصہ جو ان آیات کے متعلق منجانب اللہ پیش آیا اور اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا ہوگا کہ چندہ کے متعلق قصداً بیان کرنے کا خیال نہ تھا اس لئے امید ہے کہ لوگوں پر گراں بھی نہ ہوگا اور اگر اب بھی گرانی ہو تو گویا اشارات غیبی پر گرانی ہو رہی ہے۔ کیونکہ سب کو معلوم ہے کہ میں قصداً مال کے متعلق بہت کم بیان کرتا ہوں کیونکہ اس سے سامعین پر گرانی ہوتی ہے لیکن جب حقیقی صاحب مال کی طرف سے اشارہ ہے کہ مال کے متعلق بیان کیا جائے تو پھر کیوں نہ ہو یہ ساری گرانی اسی لئے ہوتی ہے کہ ہم اس کو اپنا مال سمجھے ہوئے ہیں۔

## ہماری ملکیت کی حقیقت

حالانکہ یہ بالکل غلط ہے یہ سب ملک خداوندی ہیں جو ہمارے ہاتھوں میں امانت ہیں جن کی آمد وصرف میں ہم بالکلیہ مختار نہیں (۲) بلکہ مثل امین کے ہیں کہ جہاں سے لینے کا حکم ہوگیا وہاں سے لے سکتے ہیں اور جہاں صرف کرنے کا حکم ہوگیا اسی جگہ صرف کر سکتے ہیں۔ ذرا انصاف کیجئے کہ ایک شخص کی زمین ہو اُسی کے بیل ہوں، اسی کا تخم ہو تو پیداوار کس کی ہوگی ظاہر ہے کہ مالک زمین کی ہوگی پھر اگر وہ اس میں سے خرچ کرنا چاہیں اور نوکر کا جی دکھے تو یہ حماقت ہی نہیں اگر نوکر کو گرانی ہو تو اس سے پوچھا جائے گا کہ کیا زمین تمہاری ہے یا بیل تمہارے ہیں یا تخم (۳) تمہارا ہے۔ جب کچھ بھی تمہارا نہیں تو مالک کے حکم سے خرچ کرنے میں جان کیوں نکلتی ہے۔ بعینہٖ یہی مثال ہماری ہے کہ یہ اموال جو ہمارے ہاتھ میں ہیں درحقیقت ہمارے نہیں کیونکہ زمین کو ہم

(۱) پہلے (۲) مال کے آنے اور خرچ ہونے میں کوئی اختیار نہیں (۳) بیج۔

نے نہیں پیدا کیا وہ خدا تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہے۔ پانی ہم نے نہیں برسایا خدا ہی کی رحمت سے بارش ہوتی ہے۔ آفتاب ہم نے نہیں بنایا جس کی تپش سے (۱) کھیتی پکتی ہے۔ بیل وغیرہ ہمارے پیدا کئے ہوئے نہیں جن سے ہل جوت کر تخم پاشی کرتے ہیں (۲)۔ تخم (۳) ہمارا پیدا کیا ہوا نہیں پھر پیداوار ہماری کدھر سے ہوگئی وہ بھی خدا ہی کی ملک ہوگی ہم صرف اس کے نوکر ہیں جو اس کے حکم کے مطابق اس میں تصرف کرنے کے مامور ہیں۔ چاندی اور سونا معدن (۴) سے نکلتا ہے جس کی تکوین (۵) میں ہم کچھ بھی نہیں کرتے۔ حق تعالیٰ شانہ اپنی قدرت سے معدن میں ان چیزوں کو پیدا فرما دیتے ہیں ہم وہاں تخم پاشی بھی جا کر نہیں کرتے تو وہ بھی خدا کی ملک ہیں۔ اگر آپ کہیں کہ ہاتھ پیر تو ہمارے ہیں جو کام ہم ان سے کرتے ہیں وہ ہماری ملک ہونی چاہئیں تو سمجھو کہ حقیقت میں یہ بھی حق تعالیٰ ہی کی ملک ہیں اسی طرح وہ قوت جس کے ذریعہ سے آپ کام کرتے ہیں وہ بھی بالکل آپ کے اختیار سے باہر ہے خدا تعالیٰ پر کسی کا زور نہ تھا کہ وہ آپ کو قوت عطا ہی فرماتے ممکن تھا کہ آپ کو اپاہج پیدا کرتے یہ بھی ممکن تھا کہ آپ کو ہاتھ پیر عطا ہی نہ فرماتے لنجا منڈا (۶) پیدا کر دیتے تو پھر یہ ہاتھ پیر بھی انہیں کی مِلک ہوئے ہمارا تو کچھ بھی نہ ہوا۔ اب آپ سمجھیں گے کہ جو شخص اموال کو اپنی ملک سمجھتا ہے وہ احمق ہے۔ ہمارے اعمال بدنی بھی جیسے کہ نماز روزہ ہماری ملک نہیں کیونکہ یہ بدن کے کھیت کی پیداور ہیں جب کھیت ہمارا نہیں تو پیداوار ہماری کہاں سے ہوجائے گی۔ آپ ناز کرتے ہیں کہ ہم تجارت کرتے ہیں کھیتی کرتے ہیں اس قدر غلہ ہماری ملک ہے اس قدر روپیہ ہمارا مملوک ہے۔ لیکن جب یہ دیکھا جائے گا کہ جن چیزوں کے ذریعہ سے یہ حاصل ہوئے ہیں وہ کس کی ملک ہیں تب حقیقت

(۱) گرمی (۲) ہل چلا کر بیج بوتے ہیں (۳) بیج (۴) کانوں سے نکلتا ہے (۵) جس کے پیدا کرنے میں ہمارا کوئی دخل نہیں (۶) بغیر ہاتھ پاؤں۔

معلوم ہوگی تو حالت یہ ہے۔

ع　تو وادی ہمہ چیز ومن چیز تست (۱)

اسی لئے ارشاد فرماتے ہیں: ﴿ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۭ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴾ (۲)

صاف صاف فرمارہے ہیں کہ جو کچھ آسمان زمین میں ہے سب اللہ تعالیٰ ہی کی مِلک ہے اور یہ جو کہیں اموال کی اور اعمال کی اضافت ہماری طرف کردی گئی ہے۔ یہ صرف ہمارا جی خوش کرنے کے لئے فرمادیا گیا ہے کہ یہ تمہاری چیز ہے۔

## ہماری ملکیت انتظام تمدّن کے لئے ہے

نیز انتظام تمدن کے لئے یہ نسبت لگادی گئی ہے کیونکہ اگر اتنی نسبت بھی نہ ہوتی تو میری ٹوپی آپ کے ہاتھ میں ہوتی اور آپ کا عمامہ میرے ہاتھ میں ہوتا۔ تو اس صورت میں انتظام کیونکر ہوتا جو چیز آپ کے ہاتھ میں وہ بھی خدا کی جو میرے ہاتھ میں وہ بھی خدا کی اور بندے خدا کے سب برابر تو اب انتظام کیسے ہوتا اس لئے حق تعالیٰ نے ایک گونہ نسبت ہمارے ساتھ ان چیزوں کی فرمادی تاکہ نظام عالم درست رہے۔ جب اس نسبت کے ہوتے ہوئے یہ حالت ہے کہ دن رات مقدمات کی عدالتوں میں بھرمار رہتی ہے تو عدم نسبت کی حالت میں تو کیا کچھ نہ ہوتا۔ غرض

(۱) آپ ہر چیز کے مالک ہیں اور میں بھی آپ کی ملک ہوں (۲) ''یہ ہے کہ جو لوگ ان چیزوں کے ساتھ بخل کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے (محض) اپنے فضل سے ان کو عطا کی ہیں وہ اس بخل کو اپنے لئے اچھا نہ گمان کریں بلکہ یہ ان کے لئے (بہت) بُرا ہے قیامت کے دن ان کو یہی چیزیں جن کے ساتھ بخل کرتے تھے طوق (گردن) بنادی جائیں گی (کیونکہ) اللہ تعالیٰ کے لئے ہے آسمان و زمین کی میراث اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں پر خبردار ہے'' سورہ آل عمران: ۱۸۰۔

یہ نسبت محض مجازی ہے جو بمصلحت قائم کی گئی ہے حتی کہ جن چیزوں سے اسباب ظاہری کے اعتبار سے بھی یہ نسبت زائل ہوجاتی ہے وہاں بھی انتظام کے لئے ایک نہ ایک نسبت باقی رہتی ہے۔ مثلاً اوقاف میں کہ ظاہری اسباب کے اعتبار سے بھی وہ کسی کی ملک شمار نہیں ہوتے مگر ان میں بھی تصرف کی عام اجازت نہیں بلکہ متولی کی اجازت کی ضرورت ہے تو یہاں ایک نسبت متولی کی طرف رکھی گئی ہے اگرچہ وہ مالکانہ نہیں بلکہ منتظمانہ ہے مگر نسبت تو ہے یہاں تک کہ مکان موقوفہ میں ہر شخص جا کر نہیں رہ سکتا جب تک کہ متولی کی اجازت نہ ہو حتی کہ اگر کوئی محلّہ کی مسجد کو از سرِ نو بنانا چاہے تو بدون اجازت اہلِ محلّہ کے جائز نہیں یہ نسبت اوقاف میں بھی اسی لئے قائم کی گئی ہے تا کہ تمدّن خراب نہ ہو ورنہ مال وقف پر ہمیشہ فوجداریاں ہوا کرتیں۔ وہ کہتا میں رہوں تم کہتے میں رہوں خوب فساد بڑھا کرتا متولی کے مقرر ہونے سے یہ فساد رفع ہوگیا۔

## شریعت کی خوبی

اور یہاں سے آپ کو معلوم ہوگیا ہوگا کہ اگر شریعت نہ ہوتی نری حقیقت ہی ہوتی جیسے کہ آجکل کے صوفی کہتے ہیں کہ شریعت کوئی چیز نہیں بس حقیقت ہی اصل ہے اور یہ لوگ تو نہ حقیقت کو سمجھیں نہ شریعت کو لیکن خیر اگر مان بھی لیا جائے تو شاہ صاحب کی مصیبت آجائے کیونکہ ع

فی الحقیقت مالک ہر شے خداست

حقیقت کی رو سے ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ہے شاہ صاحب کا کچھ بھی نہیں تو چار ہی روز میں میاں بھوکے ننگے نظر آنے لگتے ساری حقیقت کھل جاتی یہ شریعت ہی کی بدولت شاہ صاحب بنے پھر رہے ہیں کہیں جُبہ ہے کہیں دستار تو کیا غضب

ہے جس ہنڈیا کھائیں اسی میں چھینک (۱) کریں ان کی بعینہ وہ مثال ہے ۔

یکے بر سر شاخ و بن می برید　　خداوند بستاں نگہ گرد و دید (۲)

بھلا اس احمق سے کوئی یہ تو پوچھے کہ جب ڈالا ہی (۳) کٹ جائیگا تو یہ کہاں سے بچ جائے گا یہ بھی تو گرے گا، یہی حال ہمارے شاہ صاحبوں کا ہے کہ شریعت ہی کی بدولت تو چین کریں اور پھر اُسی کی جڑ کاٹیں یہ نہیں سمجھتے کہ اگر آج شریعت نہ ہوتو ہم بھی نظر نہ آئیں گے اور یہی معنی ہیں مولانا کے اس قول کے ۔

سر پنہان است اندر زیر و بم　　فاش اگر گویم جہاں برہم زنم (۴)

لوگ اس کے معنی جانے کیا سمجھتے ہوں گے بعض تو اس کو ایک شاعرانہ مبالغہ سمجھتے ہیں کہ بھلا ایسی بھی کوئی بات ہوسکتی ہے کہ اس کے کہنے سے عالم میں آگ لگ جائے ہم تو جس مضمون کو چاہیں بیان کردیں کہیں بھی آگ نہ لگے یہ لوگ مولانا کا مطلب نہیں سمجھے مطلب یہ ہے کہ اگر میں راز توحید کو صاف صاف بیان کردوں کہ کوئی چیز کسی کی بھی ملک نہیں سب خدا تعالیٰ ہی کی ملک ہے تو عالم درہم برہم ہوجائے اس لئے راز توحید کو صاف صاف نہیں کہتا۔ شریعت کی آڑ لے کر کہتا ہوں کہ نسبت بھی کوئی چیز ہے۔

## نسبت کا لحاظ

اور اس نسبت کو شریعت میں اس درجہ قوت دی گئی ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے معاملہ میں بھی اس کو محفوظ رکھا ہے یعنی اس تقریر سابق کا تو خلاصہ صرف اس قدر تھا کہ نظام عالم درست رکھنے کے لئے یہ نسبت مجازیہ قائم کی گئی ہے حقیقت

(۱) جس برتن میں کھائیں اسی میں سراخ کریں (۲) ”کہ جس شاخ پر بیٹھے ہوئے ہیں اور پھر یہ ضد کہ اُسی شاخ کی جڑ کاٹ رہے ہیں“ (۳) جب وہ ٹہنا ہی کٹ جائے گا جس پر یہ خود بیٹھا ہے (۴) اس میں کچھ ایسے راز پوشیدہ ہیں کہ اگر ان کو کھول کر بیان کردیا جائے تو دنیا میں فساد برپا ہوجائے۔

میں سب خدا کی ملک ہیں (۱) تو اس تقریر کا مقتضا یہ تھا کہ مخلوق کے باہمی تعلقات میں تو وہ نسبت محفوظ رہتی مگر جب خدا سے معاملہ ہوتا تو وہ گم ہو جاتی۔ لیکن کیا ٹھکانا ہے شفقت کا حق تعالیٰ اپنے معاملات میں بھی اس نسبت کو محفوظ رکھتے ہیں فرماتے ہیں: ﴿إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ﴾(۲) کہ خدا تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جان و مال کو جنت کے بدلے خرید لیا ہے۔ تو دیکھئے اپنے کو مشتری قرار دیا اور خریدنے والا ظاہر ہے کہ پہلے سے مالک نہیں ہوتا تو گویا یوں فرماتے ہیں کہ جان و مال سب تمہارا ہی ہے مگر ہمارے ہاتھ فروخت کر دو اللہ اکبر آپ نے شفقت خداوندی کو دیکھ لیا ایسی شفقت کسی کو بھی ہو سکتی ہے ہرگز نہیں! اس جگہ عارفین نے ایک نکتہ خوب بیان فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ نے جو اپنے آپ کو خریدار ٹھہرایا اس کو سن کر عوام تو خوش ہوئے کہ اس جان و مال کے بدلے بڑی دولت ہم کو ملے گی مگر اہلِ تحقیق اس آیت کو سن کر شرمندہ ہو گئے کہ حق تعالیٰ اپنی مملوک جان اور مال کو ہماری جان و مال فرماتے ہیں۔ اس سے شرمندہ اس لئے ہوئے کہ ہم لوگ ان چیزوں کو چونکہ اپنا سمجھتے ہیں حق تعالیٰ نے بھی اُسی کے موافق کلام فرمایا اور پردہ پوشی کی، ہمارے خیال کی غلطی ظاہر کر کے ہم کو رسوا نہیں فرمایا فضیحت (۳) نہیں کیا بلکہ رحمت سے اس خیال کو بظاہر صحیح کر دیا کہ ہاں یہ جان و مال تمہارا ہی ہے ہم اپنا نہیں کہتے مگر تم اس کو جنت کے بدلے ہمارے ہاتھ بیچ ڈالو۔ عارفین پر یہ اثر ہوا اس آیت کا جس سے مارے شرمندگی کے ان کے سر اوپر نہیں اٹھتے اور اس سے حق تعالیٰ کی محبت و معرفت ان کو اور زیادہ ہو گئی۔ بہر حال اب سمجھ میں آ گیا ہو گا کہ اس مجازی نسبت میں یہ حکمت ہے ورنہ حقیقت میں سب خدا ہی کی ملک ہے مال بھی اور جان بھی۔

(۱) مجازاً ملک کو ہماری طرف منسوب کر دیا گیا ہے ورنہ حقیقتاً ہر چیز اللہ کی ملک ہے (۲) التوبۃ/۱۱۱
(۳) شرمندہ نہیں کیا۔

## ہماری جان بھی اللہ کی ملک ہے

بلکہ جان کے حاصل کرنے میں تو ہمارا کچھ بھی دخل نہیں شاید کوئی نو تعلیمیافتہ فرمائیں کہ ماں باپ کا دخل ہے کہ اگر ان دونوں کا اجتماع نہ ہوتا تو جان کہاں سے آتی مگر عاقل جانتا ہے کہ ماں باپ کا دخل صرف اقتران میں ہے پھر اس کی خلقت بالکل ان کے اختیار سے باہر ہے چاہے بچہ پورا ہو یا ادھورا اس میں ان کا کچھ اختیار نہیں۔

## لطیفہ

مجھے ایک لطیفہ اپنے ماموں صاحب کا یاد آیا کہ وہ ایک مدرسہ میں ملازم تھے وہاں ایک ممتحن لامذہب آیا اور بچوں سے پوچھا کہ خدا (تعالیٰ) کے وجود کی کیا دلیل ہے؟ ماموں صاحب نے کہا بچوں سے کیا پوچھتے ہو مجھ سے پوچھو۔ اُس نے کہا آپ ہی بتلایئے۔ انہوں نے جواب دیا کہ دلیل یہ ہے کہ تم نہ تھے اور ہو گئے۔

اُس نے کہا ہم کو تو ہمارے ماں باپ نے پیدا کیا۔ انہوں نے کہا کہ اگر سلسلہ ختم نہ ہو تو تسلسل لازم آئے گا اور وہ محال ہے اور اگر سلسلہ ختم کرو گے تو اس کو کس نے پیدا کیا اس کا تو کچھ جواب اس سے نہ بن پڑا کہنے لگا کہ یہ منطقی دلائل نہیں جانتے موٹی بات یہ ہے کہ ہماری ایک آنکھ ہے تو اس سے کہو کہ ہماری آنکھ درست کر دے۔ ماموں صاحب بڑے ظریف تھے آسمان کی طرف منہ اٹھا کر ذرا دیر کے بعد کہنے لگے میں نے خدا تعالیٰ سے کہا تھا انہوں نے فرمایا کہ میں نے آنکھ بنادی تھی اس نے ہمارے وجود کا انکار کیا مجھ کو غصہ آیا میں نے آنکھ پھوڑ دی اب اس سے کہو کہ اپنے ماں باپ سے بنوالے وہ بہت بگڑا مگر کچھ کر نہیں سکا۔ خیر میں نے یہ قصہ اس تائید میں بیان کیا تھا کہ جان کے بارے میں کسی کا کوئی دخل نہیں

اس لئے جان بھی حق تعالیٰ ہی کی ملک ہے۔

## رحمت الٰہی

اور یہی راز ہے اس کا کہ خودکشی حرام ہے اس لئے کہ جان ہماری ملک نہیں خدا تعالیٰ کی ملک ہے اس میں ناجائز تصرف کا ہم کو اختیار نہیں اسی لئے مال میں بھی ہر قسم کا تصرف جائز نہیں ہر جگہ صرف کرنے کے ہم مجاز نہیں۔ کیونکہ ہم محض تحویلدار ہیں مالک ومختار نہیں۔ لیکن اتنا فرق ہے کہ دنیا میں اگر کوئی کسی کا خزانچی ہوتا ہے تو خزانچی کو کم ملتا ہے اور تحویل ساری گورنمنٹ یا مالک کی ہوتی ہے اور یہاں اگر دس لاکھ آپ کی تحویل میں ہیں تو مشکل سے ایک لاکھ کی تقسیم کا حکم فرمایا گیا ہوگا اور نو لاکھ پورے آپ ہی کو دیدیئے کہ اپنے صرف میں لاؤ۔ اور اسی سے تو دھوکہ ہوا کہ ہم یوں سمجھ بیٹھے کہ یہ ہمارا مال ہے اگر تھوڑا سا آپ کو دے کر سارا لے لیا جاتا تو اس وقت آنکھیں کھلتیں کہ ہم مالک نہیں تحویلدار ہیں اب اس رحمت سے دھوکہ میں پڑ گئے اور جو لوگ شریف النفس ہوتے ہیں وہ تو رحمت سے اور پگھل جاتے ہیں اور ہماری یہ حالت ہے کہ ؎

چو باسفلہ گوئی بلطف وخوشی فزوں گرددش کبر و گردن کشی (۱)

تو ہم کو یہ زعم ہوگیا کہ ہماری چیز ہے اور پھر اس کو رنڈی بھڑوں پر اور افتخار واشتہار کے موقع پر تو خرچ کردیتے ہیں۔

## خرچ کرنے میں مواقع کا لحاظ

چنانچہ اسی وقت میں بعض لوگوں نے فضول موقع پر دس دس ہزار روپے

(۱) ''جب کسی بے وقوف سے نرمی سے گفتگو کی جائے تو اس کا تکبر اور بڑھ جاتا ہے''۔

دے دیئے اور دینی چندہ کے موقع پر مشکل سے سو دیئے ہوں گے ان لوگوں نے دو غلطیاں کیں۔ ایک تو یہ کہ خرچ کے موقع پر دیتے ہوئے ان کے قلب پر گرانی ہوتی ہے۔ دوسرے فضول موقعوں پر خوب خرچ کرتے ہوئے دل پر ہرگز گرانی نہ ہوئی کہ اس کو اپنا سمجھا ورنہ اگر خدا کا مال سمجھتے تو دینی مواقع میں خرچ کرتے ہوئے دل پر ہرگز گرانی نہ ہوتی، کیونکہ جب مالک کا اس جگہ خرچ کرنے کا حکم ہے تو خزانچی کو اپنا دل دکھانے کا کیا حق ہے۔ اور ناجائز موقعوں میں صرف کرنے کی ہرگز ہمت نہ ہوتی کیونکہ خزانچی کو کب جائز ہے کہ بلا اجازت مالک کے اس کی ناراضی کے موقع میں صرف کرے۔ پس نہ تو ہر جگہ خرچ کرنا چاہیئے اور نہ موقع پر گرانی ہونی چاہیئے۔ ایک بزرگ کی یہ حالت تھی کہ جو کچھ آتا خرچ کر ڈالتے تھے ایک دوسرے بزرگ نے ان کو لکھا لا خیر فی الاسراف (۱) انہوں نے اس کے جواب میں لکھا لا اسراف فی الخیر (۲) اصل یہ ہے کہ موقع دیکھنا چاہیئے جہاں سارا مال دینے کا موقع ہو سب دو کہ وہ خیر ہے جہاں ممانعت ہو وہاں رکو کہ ممانعت کا محل خیر نہیں ہے۔ غرض ہمارے پاس ایک قانون ہے اس کے موافق کرو اس قانون کی ایک دفعہ یہ بھی ہے کہ سارا مال خرچ کرنے کے بعد دیکھنا چاہیئے کہ آپ کہاں سے کھائیں گے اگر صاحب توکل ہے اس کو سب خرچ کر دینا جائز ہے اور اگر صاحب توکل نہیں بلکہ سارا مال خرچ کر کے کل کو بھیک مانگنا پڑے گی ایسے شخص کو سارا مال خرچ کرنا جائز نہیں۔

## دینی ضرورتوں میں خرچ کا معیار

اور یہ اسراف کا مسئلہ ہمارے بھائیوں کو دینی خرچ ہی کے موقع پر سوجھتا ہے اپنے اخراجات میں کوئی بات اسراف ہی نہیں سمجھتے کیا یہ اسراف نہیں کہ

(۱) فضول خرچی میں بھلائی نہیں ہے (۲) اچھی جگہ خرچ کرنا فضول خرچی نہیں ہے۔

گاڑھا(۱) ایک شخص پہن سکتا ہے اور اس کی اسی قدر حیثیت ہے پھر بھی وہ چکن (۲) پہنے۔ دال گوشت کھانے کی حیثیت ہے مگر کباب اور پلاؤ کے بغیر چین ہی نہیں۔ یہ تو اسراف نہیں۔ اور خدا کے رستہ میں پچاس ہزار میں سے پچاس روپے دینا بھی اسراف ہے۔ لوگ آجکل فضول اخراجات کے لئے قرض اور وہ بھی سودی قرض تک لیتے ہیں یہ تو اسراف میں داخل نہیں اور دینی کام کے لئے موجودہ مال میں سے بھی کچھ نکالنا اسراف ہوگیا۔ یہ لوگ اول تو دینی کام میں کچھ دیتے ہی نہیں اور جو دیتے بھی ہیں تو محض وضعداری (۳) سے خلوص بہت کم ہوتا ہے صاحبو! خلوص تو غرباء میں ہوتا ہے۔ میرٹھ میں ایک غریب پسنہاری عورت (۴) نے دو دو پیسے کر کے کچھ روپیہ جمع کیا تھا اور اس دینی موقع پر سب دے دیا میرا یہ مطلب نہیں کہ آپ بھی سب دیدیں۔ لیکن ذرا اتنا غور کر لیجئے کہ اگر اس وقت میں آپ کے بیٹے کی شادی پیش آجائے تو آپ کتنا خرچ کریں گے۔ بس اسی سے جواب سمجھ لو کہ اس موقع پر کتنا خرچ کرنا چاہیئے۔ اگر آپ بیٹے کی شادی میں پانچ سو روپے خرچ کرتے تو اس موقع پر چار سو پچاس ہی دیجئے کیا خدا کا اتنا بھی حق نہیں حالانکہ حقیقت میں یہ سب کچھ اُسی کا ہے۔

## رقم قرض دینے کا فائدہ

اور صاحبو اگر کسی کو مفت دینا گراں ہو تو اس کو چاہئے کہ اللہ کی راہ میں قرض ہی دیدے۔ اول تو گرانی اس کو ہوگی جس کو دین کی محبت نہیں محبّ اسلام کو تو گرانی نہیں ہوسکتی اور اگر کسی کو ہو تو اُس کے رفع کرنے کا طریق یہ ہے کہ اپنے جی کو سمجھالے کہ میں تو قرض دے رہا ہوں بلکہ ایسی جگہ جہاں سے وصولیابی کی امید ہو

(۱) موٹا کپڑا معمولی قسم کا (۲) بڑھیا پھول دار کپڑا (۳) اپنی بڑائی قائم رکھنے کے لئے (۴) آٹا پیسنے والی عورت۔

تو روپیہ جمع کرنے سے قرض چلا دینا بہتر ہے کیونکہ اگر آپ کے پاس رہا سو یا تو جمع کروگے اس میں حفاظت کرنی پڑے گی یا تجارت میں لگاؤ گے سو اگر تجارت میں لگا سکو تو خیر لیکن جو روپیہ جمع ہی کرنا پڑے اس کا قرض دے دینا بہتر ہے کہ آپ حفاظت سے بچ گئے اور اس کے ذمہ روپیہ واجب ہوگیا کہ بروقت ضرورت مل جائے گا۔ بعض بزرگوں کا تو معمول یہ رہا ہے کہ کچھ رقم قرض دینے کے لئے الگ کر لیتے تھے یعنی صدقہ وخیرات تو کرتے ہی تھے قرض دینے کی فضیلت سن کر ایک رقم قرضہ کے لئے علیحدہ کر دیتے تھے کیونکہ قرض دینے کی فضیلت صدقہ سے زیادہ ہے ابن ماجہ میں حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے جنت کے دروازہ پر لکھا دیکھا کہ قرض میں ایک کے عوض اٹھارہ ملیں گے حضور ﷺ نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ اے جبرئیلؑ یہ کیا بات ہے کہ قرضہ کا ثواب صدقہ سے زیادہ ہے کیا اچھا جواب دیا کہ صدقہ تو وہ شخص بھی لے لیتا ہے جس کو ضرورت نہ ہو اور قرض وہی لیتا ہے جس کی جان پر آبنی ہو تو ایسے شخص کی امداد کی زیادہ فضیلت ہے۔ صاحبو! اس وقت نہ معلوم کتنے اللہ کے بندے ہوں گے جن کی جان پر بن رہی ہے مگر ہمیں کیا ہم تو آرام سے دونوں وقت کھاتے پیتے ہیں اور رات کو سو رہتے ہیں ۔

اے ترا خارے بپا نہ شکستہ کے دانی کہ چیست
حال شیرانے کہ شمشیر بلا بر سر خورند(۱)

مصیبت زدہ کی تکلیف کا اندازہ ناز پروردہ کیسے کر سکتا ہے تو ایسے لوگوں کو اول تو مفت امداد دینی چاہئے اور اگر کسی پر یہ گراں ہو تو میں سہل طریقہ بتلاتا ہوں

(۱) ''اے وہ شخص کہ جس کے پاؤں میں کانٹا بھی نہیں لگا ان شیروں کا حال کیا جان سکتا ہے کہ اپنے سروں پر مصیبت کی تلوار کے زخم پر زخم کھائے جاتے ہیں''۔

کہ قرض ہی سے ان کی امداد کرو اگرچہ اس آیت میں ﴿اِنْ تُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا﴾ سے یہ قرضہ اصطلاحی مراد نہیں بلکہ اس سے مراد صدقہ وخیرات ہے کیونہ خدا تعالیٰ کو قرض دینا یہی ہے کہ اس کے بندوں کو بالکل مالک بنادیا جائے واپس نہ لیا جائے لیکن اگر کسی کو اتنی ہمت نہ ہو تو قرضہ اصطلاحی ہی دے دو اور بطور عموم مجاز اس کو بھی اس میں داخل کیا جاسکتا ہے کیونکہ اصلی مقصود تو انفاق ہے تو قرض سے اللہ کی راہ میں خرچ کرنا مراد لیا جائے خواہ بطریقہ تملیک ہو یا بطور قرض ہو(۱) تو قرضہ کی فضیلت کا راز آپ کو اس حدیث ابن ماجہ سے معلوم ہوگیا ہوگا اور اٹھارہ کے عدد کی تعیین کا راز بھی میں جمعہ کو بیان کرچکا تھا اب پھر بتلاتا ہوں کہ یہ عدد بظاہر تعجب انگیز ہے کہ نہ دس نہ بیس برابر صدقہ کے ہوتا تو دس ہونا چاہیئے تھا دوگنا ہوتا تو بیس کا عدد ہونا چاہئے تھا تو یوں سمجھ میں آتا ہے کہ اصل عدد تو بیس ہوتا کیونکہ قرض لینے والا بہت ہی حاجتمند ہوتا ہے ایسے شخص کی امداد صدقہ لینے والے سے مضاعف (۲) فضیلت رکھتی ہے مگر چونکہ وہ روپیہ پھر لوٹ آویگا اس لئے دو عدد کہ روپیہ کا مضاعف ہے ثواب سے کم ہوگئے باقی اللہ جانے تو قرضہ کی رغبت تو آپ کو زیادہ ہونی چاہیئے کیونکہ اول تو اس میں ثواب اور فضیلت زیادہ ہے دوسرے وہ مال لوٹ آئیگا تو دنیا بھی لیجئے اور آخرت بھی لیجئے ایسی بھی کوئی تجارت ہے کہ سرمایہ بھی بعینہ لوٹ آیا اور نفع بھی زیادہ سے زیادہ مل گیا۔ کیا ٹھکانا ہے کہ ثواب بھی رہا اور وہ قرضہ بھی آگیا اور لوٹ کر آویگا بھی اس طرح کہ اس کا نفع آخرت میں المضاعف فرماویں گے اور گناہ معاف فرماویں گے۔

---

(۱) چاہے مالک بنا کر بطور صدقہ دے یا بطور قرض (۲) دوگنی۔

# اللہ کی عطا و مہربانی

حاصل یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی رحمت بہت عجیب ہے۔ دنیا میں قاعدہ یہ ہے کہ جس سے رنجش ہوتی ہے اس سے معاملہ نہیں کیا کرتے بلکہ ایسے شخص سے معاملہ کرتے ہیں جو نافرمان آپ کا نہ ہو۔ حق تعالیٰ شانہ گنہگاروں، نافرمانوں سے بھی معاملہ فرماتے ہیں چنانچہ اس اس آیت میں ارشاد ہے کہ اگر تم اللہ کو قرض حسن دو گے تو اس کو المضاعف کر دیں گے اور تمہارے گناہ معاف کر دیں گے تو یہ خطاب گنہگاروں ہی کو تو ہے۔

خوب کہا ہے ؎

کہ مستحق کرامت گنہار انند(۱)

اور اس سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ دنیا میں تو اگر کوئی خطا کر کے معافی چاہتا ہے تو صرف خطا معاف کر دیتے ہیں انعام و اکرام کوئی نہیں دیا کرتا بلکہ خطا معاف کر دینے ہی کو بہت بڑا انعام سمجھتے ہیں حق تعالیٰ شانہ صدقہ و توبہ کے بعد گنہگاروں کے گناہ بھی معاف فرما دیتے ہیں اور انعام بھی دیتے ہیں یعنی ثواب۔ چنانچہ جا بجا ''غفور'' کے ساتھ ''رحیم'' بھی وارد ہوا ہے۔ اس سے خدا کی رحمت تو دیکھئے اور ثواب بھی کس قدر یہ نہیں کہ جتنا خرچ کیا تھا اُسی کے برابر بلکہ بڑھا کر دیتے ہیں۔ رہی یہ بات کہ کتنا بڑھا کر دیں گے تو یضاعف سے شاید آپ نے دونا سمجھا ہوگا یہ نہیں بلکہ مضاعف کے معنی مطلق بڑھانے کے ہیں خواہ دونا ہو یا اس سے بھی زیادہ اس جگہ سے دونے سے زیادہ کو بھی یہ لفظ شامل ہے کیونکہ

---

(۱) جو دو کرم کے مستحق گناہگار ہیں۔

دوسری آیت میں اس کی مثال اس طرح بیان فرمائی ہیں: ﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۭ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾(۱)

جو لوگ اللہ کے راستے میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں ان کے مال کی ایسی مثال ہے جیسی کہ ایک دانہ سے سات خوشہ پیدا ہوں اور ہر خوشہ میں سو سو دانہ ہوں تو اس آیت سے معلوم ہوگا کہ ایک چیز دینے سے سات سو حصے اس کے آخرت میں ملیں گے اس کے بعد ارشاد ہے: ﴿وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ﴾ کہ حق تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں اس سے بھی زیادہ دیتے ہیں حدیث میں اس کی زیادہ توضیح ہے کہ اگر ایک چھوارہ اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے تو حق تعالیٰ شانہ اس کو پرورش فرماتے ہیں اور بڑھاتے رہتے ہیں یہاں تک کہ احد پہاڑ کی برابر کر کے اس شخص کو دیں گے اس حدیث کو ہم لوگ پڑھتے ہیں مگر غور نہیں کرتے غور کر کے دیکھئے اگر احد پہار کے تم ٹکڑے کرنے لگو چھوارہ کے برابر تو وہ ٹکڑے کس قدر ہوں گے اور خصوصاً اگر ٹکڑے چھوارہ کی جسامت کے برابر نہ کئے جاویں بلکہ چھوارہ کے وزن کے برابر لئے جاویں تو احد پہاڑ چونکہ پتھر ہے اس کا ذرا سا ٹکڑا وزن میں چھوارے کے برابر ہوجائے گا اس صورت میں تو اور بھی زیادہ ٹکڑے ہونگے۔ تو اس حدیث سے معلوم ہوگیا کہ تضاعف سات سو یا سات سو کے مضاعف تک محدود نہیں (۱) اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ اکثر ایسے موقع میں مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس مثال سے سمجھ لو اور حقیقت میں وہ ثواب اس سے بھی زیادہ ہوتا ہے تو احد کے ٹکڑوں کے ساتھ بھی ثواب محدود نہیں تو دیکھئے یہ حساب کہاں تک پہنچتا ہے اسی کو فرماتے ہیں مولانا ؎

(۱) البقرہ: ۲۶۱ (۲) کہ زیادتی سات سو یا سات سو سے دگنے تک محدود نہیں۔

خود کہ باید ایں چنیں بازار را کہ بیک گل میخری گلزار را
نیم جاں بستاند وصد جاں دہد انچہ درد ہمت نیاید آن دہد(۱)

حضرت یہ تو مال بھی اور جان بھی سب انہی کی ہے وہ مفت مانگیں تب بھی سب قربان کر دینا چاہئے تھا جائیکہ اس قدر ثواب کا وعدہ بھی ہے ۔

ہمچو اسمٰعیل پیشش سر بنہ شاد و خنداں پیش تیغش جاں بدہ
ہر کہ جاں بخشد اگر بکشد رواست نائب ست ودست او دست خداست(۲)

جب نائب کا یہ حق ہے تو اصل کیا کیا کچھ ہوگا تو حضرت ہم چیز ہی کیا ہیں ہمارا مال ہی کیا ہے وہ اس کو قبول ہی فرمالیں تو بڑی عنایت ہے اس لئے ہمت کر کے بخوشی اللہ کے راستہ میں دینا چاہئے۔ اور اگر آج دریغ کروگے تو قطع نظر اس کے کہ باز پرس ہوگی آپ سے یہ مال چھوٹنے والا ہے آپ مرجائیں گے دوسروں کے کام آئے گا حق تعالیٰ تو تمہارے نفع کی تدبیر بتارہے ہیں کہ بعد موت کے بھی یہ مال تمہارے ہی پاس رہے حدیث شریف میں ہے کہ حضور ﷺ نے صحابہ سے خطاب کر کے فرمایا کہ وہ کون شخص ہے جس کو وارث کا مال اپنے مال سے زیادہ پیارا ہو صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ایسا تو ہم میں کوئی بھی نہ ہوگا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص مال کو جمع کرتا ہے اور اللہ کے راستہ میں خرچ نہیں کرتا یہاں تک کہ وہ مال اس سے چھوٹ جاتا ہے اور اس کے وارث کو ملتا ہے اس شخص کو وارث کا مال اپنے مال سے زیادہ پیارا ہے (اگر اس کو اپنا مال پیارا ہوتا تو

(۱) ''وہ بازار کیسا عجیب ہے کہ ایک پھول کے عوض پورا باغیچہ ہی مل جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عجیب شان ہے کہ نصف جان لیکر سو جانیں عطا فرمادیتے ہیں، جو چیز وہم و خیال میں بھی نہیں آسکتی وہ عطا فرماتے ہیں''
(۲) حضرت اسماعیل علیہ السلام کی طرح اپنا سر خدا کے حضور پیش کروانہوں نے ہنسی خوشی تلوار کے نیچے سر رکھ کر جان دی وہ ذات جس نے جان دی ہے اگر لینا چاہے تو اس کے لئے جائز ہے اللہ کا نائب ہونے کی حیثیت سے حضرت ابراہیمؑ نے ذبح کیا گویا ان کا ذبح کرنا اللہ کا ذبح کرنا ہے۔

اللہ کی راہ میں خرچ کرتا تاکہ بعدالموت اس کا ثواب اس کو ملتا) صاحبو! میرا مطلب یہ نہیں کہ سارا ہی مال خرچ کردو اور ورثہ کے لئے کچھ بھی نہ چھوڑو کہ وہ بعد تمہارے ننگے بھوکے رہیں۔ اس کی بھی حدیث میں ممانعت آئی ہے بلکہ مقصود کہنے سے یہ ہے کہ اس معیار کو پیش نظر رکھو کہ اگر اس وقت آپ کے بیٹے کی شادی ہونے لگے تو آپ کتنا خرچ کریں اور خدا کے کام میں تو اس سے زیادہ خرچ کرنا چاہئے اور کم از کم اتنا تو ضرور خرچ کرنا چاہئے۔

## اللہ تعالیٰ کا حلم

اب میں اس مضمون کو طول دینا نہیں چاہتا دوسرے مضمون کو شروع کرتا ہوں اور اس میں اختصار یا تطویل خدا کے قبضہ میں ہے ممکن ہے کہ جلدی ہی ختم ہوجائے۔ اب میں اس مضمون کو کھڑے ہوکر بیان کرونگا حق جل وعلا شانہ نے اس مضمون ترغیب قرضہ کے بعد اس مقام پر اپنی چند صفتیں بیان فرمائی ہیں ان سے وہ مضمون رفع شبہات کا نکلتا ہے جس کو میں اب بیان کروں گا اور آیات کے اخیر میں جو حق تعالیٰ کی صفات مذکور ہوتی ہیں یہ تمام مضمون سابق کا نچوڑ ہوتا ہے اور وہ ماقبل کے ساتھ اس طرح مرتبط ہوتے ہیں کہ مضمون سابق کی علت کی طرح ہوتے ہیں۔ نیز مضمون سابق میں جو شبہات پیدا ہوتے ہیں ان کا جواب ان صفات سے ہوجاتا ہے تو ارشاد فرماتے ہیں ﴿وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ﴾ اگر تم حق تعالیٰ کو قرض حسن دوگے تو تمہاری مغفرت کردیں گے اور اس کو المضاعف کردیں گے (کیونکہ) اللہ تعالیٰ قدردان ہیں (قدردانی تو ظاہر ہے کہ اس سے زیادہ اور کیا قدردانی ہوگی اس کی تفصیل ابھی بیان ہوچکی ہے اس کے بعد فرماتے ہیں حلیمٌ کہ وہ بردبار بھی ہیں یہ صفت اس لےء بیان فرمائی کہ طاعات میں جو کوتاہی ہوجاتی ہے اس پر نظر نہیں

فرماتے بوجہ حلیم ہونے کے۔ دوسرے یہ کہ بعض لوگ ایسے بھی تو ہیں جو طاعات کرتے ہی نہیں بلکہ معاصی میں مبتلا ہیں تو اہل طاعات کی قدر فرماتے ہیں اور اہل معاصی سے حلم اور بردباری فرماتے ہیں کہ ان کو جلدی سزا نہیں ملتی تو ''حلیم'' بڑھا کر اہل معاصی کو متنبہ کردیا کہ سزا نہ ملنے سے یہ نہ سمجھیں کہ وہ مستحق سزا نہیں بلکہ بوجہ حلم کے ان کو جلدی سزا نہیں ملتی پھر کسی وقت یعنی آخرت میں سزا دیں گے اور کبھی تھوڑی سی سزا دنیا میں بھی دیدیتے ہیں۔

## تفسیری نکتہ

اور ایک نکتہ اسی وقت سمجھ میں آیا ہے بہت عجیب بات ہے وہ یہ کہ ''شکور حلیم'' کو طاعات و معاصی دونوں کے اعتبار سے نہ مانا جائے بلکہ صرف ایک ہی امر کے متعلق مانا جائے یعنی طاعات ہی کے متعلق دونوں صفتوں کو قرار دیا جائے مطلب یہ کہ حق تعالیٰ شانہ تمہاری طاعات کو بوجہ قدردانی اور حلم کے قبول کر لیتے ہیں کیونکہ ہماری طاعات کے دو پہلو ہیں ایک تو یہ کہ وہ ہماری طاعت ہے اور ہم ناقص ہیں تو اس لحاظ سے اس کو گستاخی کہا جائے تو عجب نہیں اور میں اس کو ایک مثال سے عرض کرتا ہوں آپ کو بعض نوکر ایسے نالائق ملے ہوں گے کہ وہ موافق آپ کی طبیعت کے کام نہیں کرتے ہوں گے اس لئے کہ ان کو سلیقہ اور تمیز نہیں اگر پنکھا جھلتا ہے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ ابھی سر میں مار دے گا، ہر دفعہ آپ اپنے سر کو بچاتے ہیں تو اب دو موقع پیش آتے ہیں ایک تو یہ کہ آپ اس کو ڈانٹ دیں اس وقت تو اُسے معلوم ہو جائے گا کہ میری خدمت سے راحت نہیں پہنچی بلکہ تکلیف ہوئی ایک موقع یہ ہے کہ آپ اپنے حلم سے خاموش رہیں اس وقت وہ سمجھتا ہے کہ میں نے میاں کو ایک گھنٹہ کھڑے ہو کر پنکھا جھلا تو میں مستحق جزا وانعام کا ہوں حالانکہ یہ نہیں سمجھتا

ہے کہ اس گھنٹہ بھر تک میاں کو ستایا ہے اس سے تو خالی ہی بیٹھا رہتا تو اچھا تھا اس کی خدمت گستاخی کا حکم رکھتی تھی ایسی ہی ہماری عبادت ہے کہ وہ مواقع میں عبادت اور طاعت کہنے کے لائق نہیں۔

## آیت کی بہترین تفسیر

ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ﴿أُولٰئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنَاتٍ﴾ کی عجیب تاویل فرماتے تھے جس سے میری اس تقریر کی تائید ہوتی ہے۔ فرماتے تھے کہ اس آیت میں سیئات سے ہماری طاعات مراد ہیں کہ حق تعالیٰ شانہ اپنی رحمت سے ان طاعات کو جو کہ درحقیقت سیئات ہیں طاعات سے بدلیں گے تو نامہ اعمال میں چاہئے تو یہ تھا کہ جب ہم نماز پڑھیں ایک گناہ لکھا جاتا مگر رحمت خداوندی سے نماز ہی لکھ دی جاوے گی اور بوجہ حلم کے ان کوتاہیوں پر نظر نہ ہوگی ہماری طاعات کی تو یہ حالت ہے ؎

سبحہ برکف توبہ برلب دل پراز ذوق گناہ معصیت رخندہ می آید براستغفار ما(۱)

تو ایسی نماز پر ثواب اگر مواخذہ نہ ہو اور جان بچ جائے تو بسائے غنیمت ہے۔

طاعتم گر سبب وموجب غفران نہ شود راضیم گر مددے علت عصیاں نہ شود(۲)

---

(۱) ہاتھ میں تسبیح زبان پر توبہ کے الفاظ اور دل گناہوں کی لذت سے لبریز میرے گناہوں کو بھی میری توبہ پر ہنسی آرہی ہے (۲) میری عبادات اگر میری بخشش کا باعث نہ ہوں تو میں اسی پر خوش ہوں کہ ان کو میری نافرمانی نہ شمار کیا جائے۔

## حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حالت

اور یہ مذاق کچھ معتقدین صوفیہ کا تراشا ہوا نہیں سلف کا بھی یہ مذاق تھا، احادیث سے صحابہ کے مذاق کا پتہ چلتا ہے وہ اسی کے موافق ہے صحاح میں روایت موجود ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی گفتگو ہوئی تھی حضرت ابوموسیٰ اشعری کے ساتھ اور گفتگو یہ تھی کہ آپس میں ایک نے دوسرے سے پوچھا کہ ہم نے جو اعمال کئے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور آپ کے بعد اُن کی بابت کیا خیال ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہماری تمنا تو یہ ہے کہ جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا ہے وہ تو مقبول ہوجائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو کچھ کیا ہے اس پر مواخذہ نہ ہو تو بسا غنیمت ہے انہیں حضرات کی شان میں یہ آیت ہے: ﴿وَالَّذِیْنَ یُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُھُمْ وَجِلَۃٌ اَنَّھُمْ اِلٰی رَبِّھِمْ رٰجِعُوْنَ﴾ یعنی وہ ایسے لوگ ہیں کہ دیتے ہیں جو اموال دیتے ہیں یا وجود دیتے ہیں جن اعمال کو وجود دیتے ہیں اس حال میں کہ ان کے دل خدا کے پاس جانے کے خیال سے خائف ہوتے ہیں تو وہ خوف کس بات کا ہوتا ہے اسی کا تو کہ کہیں کوتاہی اعمال پر سوال نہ ہونے لگے کبھی بجائے ثواب کے پکڑ نہ ہونے لگے۔

حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا واقعہ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے گلستان میں لکھا ہے کہ حرم میں حق تعالیٰ سے اس طرح عرض کررہے تھے ؎

من نہ گویم کہ طاعتم بپذیر قلم عفو برگناہم کش (۱)

## ''شکور'' اور ''حلیم'' کی قید کا فائدہ

تو ہماری طاعات کا تو پوچھنا ہی کیا حق تعالیٰ شانہ کی عظمت کے سامنے تو

(۱) میں یہ نہیں کہتا کہ میری عبادات کو قبول فرمالے بلکہ یہ چاہتا ہوں کہ میرے گناہ معاف فرمادیں۔

کاملین کی طاعات بھی ہیچ ہیں کوئی ان کی عظمت کے لائق کیا طاعت کرسکتا ہے۔ تو ہماری طاعات میں دو پہلو ہوئے۔ ایک یہ کہ ہم نے اپنی استطاعت کے موافق کیا دوسری یہ کہ عظمت الٰہی کے موافق نہیں کیا تو باعتبار اول فرماتے ہیں ''شکور'' کہ ہم قدردان ہیں اس طاعت کو بھی جو کہ تم نے اپنی ہمت کے موافق کی ہے قبول کرلیں گے اور ثانی کے اعتبار سے فرماتے ہیں ''حلیم'' کہ گو ہماری عظمت کے لائق یہ طاعت نہیں مگر طاعت کی نقل تو ہے اور نقل کا حکم بھی اصل کا سا ہوجاتا ہے جیسے کوئی مٹی کا خربوزہ بنا کر لائے اور اس کو انعام مل جائے۔ تو حالانکہ وہ خربوزہ واقع میں نہیں مگر اس کی نقل تو ہے اچھی چیز کی نقل پر بھی انعام دے دیا جاتا ہے مگر اس سے غرور نہ کرنا چاہئے یہ سمجھتے رہنا چاہئے کہ یہ نقل ہے۔

## نقل بمطابق اصل کی رعایت

اس نقل پر مجھے ایک حکایت یاد آئی کہ جب عالمگیر تخت نشین ہوئے تو ایک بہروپیہ آیا جیسا کہ دستور ہوتا ہے کہ ایسے لوگ خوشی کے وقت انعام کے امیدوار ہوا کرتے تھے عالمگیر متقی شخص تھے ان خرافات کی ان کے دل میں قدر نہ تھی ایسے دینے کو اسراف سمجھتے تھے اس لئے ایک لطافت کے ساتھ دفع الوقتی کی (۱) کہ اپنا کمال دکھلا کر مستحق انعام ہوسکتے ہو تمہارا کمال یہ ہے کہ ہم تم کو نہ پہچان سکیں وہ مختلف اشکال میں آیا اور پہچانا گیا اتفاق سے عالمگیر کو سفر دکن کا پیش آیا، اس بہروپیہ کو اطلاع ہوگئی وہ پہلے سے آگے جا کر ایک گاؤں میں صوفی بن کر بیٹھ گیا عالمگیر فقراء کی بہت تعظیم کرتے تھے راستہ میں جہاں کسی بزرگ کا نام سنتے ان کی زیارت کرتے اور نذر پیش کرتے (۲) اس گاؤں پر بھی گزر ہوا۔ (یہ حکایت کتابی

(۱) خوبصورت انداز میں وقتی طور پر اس کو ٹالدیا (۲) ہدیہ پیش کرتے۔

نہیں سنی ہوئی ہے) معلوم ہوا کہ یہاں بھی ایک بزرگ رہتے ہیں تو اول وزیر کو بھیجا کہ ان بزرگ کو دیکھ کر آؤ کہ کیسے ہیں اس کو بھی دھوکہ ہوا اس نے آکر کہا کہ واقعی بہت بڑے صوفی ہیں اس کے بعد عالمگیر خود گئے ان کو بھی بہت اثر معلوم ہوا اور آبدیدہ ہوگئے اور چلتے ہوئے ایک ہزار کا توڑہ پیش کیا اُس نے انکار کیا بادشاہ نے بہت ہی اصرار کیا اس نے ایک نہ مانی بادشاہ اپنا سا منہ لے کر روپیہ ساتھ لے آئے جب عالمگیر اپنے خیمہ میں پہنچے تو پیچھے پیچھے بہروپیہ بھی پہنچا۔ اور جھک کر سلام کیا عالمگیر نے پہچان لیا کہ اس بہروپیہ نے مجھے دھوکہ دیا یہی صوفی بن کر بیٹھا تھا اور مجھے پتہ بھی نہ چلا معمولی انعام کے لئے حکم دیا اس نے سر آنکھوں پر رکھ کر قبول کئے اور بادشاہ کو دعائیں دینے لگا۔ عالمگیر نے کہا کہ ہم تمہارے کمال کے قائل ہوگئے مگر ساتھ ہی حماقت کے بھی قائل ہیں ہماری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ اس وقت ہم تم کو ہزار دیتے رہے اور تم نے نہ لئے اور اب اس سے کم پر راضی ہوگئے۔ اس نے کیا حیرت انگیز جواب دیا ہے۔ کہ حضور اگر میں اس وقت لے لیتا تو نقل ٹھیک نہ ہوتی اس وقت تو میں درویشوں کا بہروپ بنائے ہوئے تھا اس کا یہی مقتضا تھا جو میں نے کیا وہ درویش ہی کیا جس کی ذرا سی بات پر رال ٹپک پڑے صاحبو! ہم تو اس بہروپیہ کے بھی برابر نہیں اس سے بھی بدتر ہیں اس نے تو اپنے بہروپ کی رعایت اس قدر کی کہ دنیا پر لات ماردی اور ہم حکمِ خداوندی کی بھی رعایت نہیں کرتے حرص وطمع کے مارے مال گھر میں جمع کئے ہوئے ہیں حکم الٰہی کے بعد بھی حرص کو نہیں چھوڑتے اور خرچ نہیں کرتے۔

## تفسیر آیت

خلاصہ یہ کہ ہماری طاعات میں دو پہلو تھے ایک کے اعتبار سے ''شکور'' فرمایا گیا اور دوسرے کے اعتبار سے ''حلیم'' فرمایا گیا۔ آگے ارشاد فرماتے ہیں: ﴿عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ﴾ یعنی حق تعالیٰ جاننے والے ہیں پوشیدہ اور ظاہر

کے، یہ اس لئے فرمایا گیا تا کہ لوگ خلوص سے اللہ کی راہ میں مال خرچ کریں کیونکہ دارومدار ثواب کا خلوص پر ہے اور خدا تعالیٰ کو دلوں کی باتوں کا علم پورا پورا ہے اس کے سامنے کوئی حیلہ بہانہ چل نہیں سکتا۔ اس کے بعد ارشاد ہے: ﴿اَلْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ﴾ یعنی حق تعالیٰ شانہ غالب ہیں، صاحب حکمت ہیں یہ اس لئے فرمایا کہ اجر دینے کا جو پہلے وعدہ فرمایا تھا اس پر شاید کسی کو یہ شک ہوتا کہ معلوم نہیں دیں گے بھی یا نہیں تو فرماتے ہیں کہ خدا ہر شے پر غالب ہے ان کو ایفاء وعدہ سے کوئی امر مانع نہیں (۱) اس کا وعدہ خلاف نہیں ہوسکتا اس پر پھر کسی کو یہ خیال پیدا ہو کہ جب غالب ہیں ابھی کیوں نہیں دیدیتے دیر کس لئے کی جاتی ہے اس شبہ کو ''حکیم'' سے قطع فرمادیا کہ وہ صاحب حکمت ہیں ان کا ہر کام حکمت سے ہوتا ہے اس دیر میں بھی حکمت ہے یہ تو صفات کا بیان تھا۔

## رفع شبہات

اب میں عزیز حکیم سے استنباط کرتا ہوں ان شبہات کا جواب جو آجکل لوگوں کو پیش آرہے ہیں اور شبہات عجب نہیں کہ مختلف ہوں مگر سب کا مختصر جواب سن لیجئے۔ اور مختصر اس لئے کہتا ہوں کہ مطول (۲) جواب میں سامعین کی طبیعت کو انتشار (۳) ہوجاتا ہے حاصل تمام شبہات کا یہ ہے کہ آجکل مسلمان پستی کی حالت میں ہیں اور کفار کو غلبہ وعروج ہے تو بعض لوگوں کو یہ شبہ پیدا ہوا کہ قرآن شریف میں تو ارشاد فرمایا گیا ہے ﴿اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْغَالِبُوْنَ﴾ کہ اللہ کی جماعت غالب رہا کرتی ہے تو اب دیکھنا یہ ہے کہ آجکل غالب کون ہے آجکل تو

(۱) کوئی بات روکنے والی نہیں (۲) تفصیلی (۳) سننے والوں کی طبیعت پریشان ہوجاتی ہے۔

کفار ہی غالب ہیں تو اس سے ان کا حزب اللہ (۱) ہونا لازم آتا ہے۔ صاحبو! سمجھ لیجئے کہ یہ ارشادِ الٰہی بالکل ٹھیک ہے۔ میں آپ کو اس کا جواب سناتا ہوں اور جواب کی وجہ سے اس وقت ہمیں اپنی اور اپنے بھائیوں کی حالت کے متعلق کچھ کہنا پڑتا ہے۔ اگرچہ یہ موقع شکایت کا نہ تھا لیکن اب چونکہ خدا تعالیٰ تک اعتراض پہنچتا ہے (سبحانہ) (۲) اس لئے مجبوراً لب کشائی (۳) کرتا ہوں۔ صاحبو! یہ ارشاد عالی بالکل بجا اور درست ہے مگر آپ نے جو خدا تعالیٰ پر الزام دیا تو ذرا اپنی حالت کو بھی تو دیکھا ہوتا کہ آپ (حزب اللہ) گروہ خداوندی بننے کے قابل بھی ہیں یا نہیں۔

## ہماری بدحالی کی مثالیں

افسوس ہماری اس وقت بالکل وہی مثال ہوگئی کہ ایک عورت کی انگلی پر بچہ کو پائخانہ پھراتے ہوئے (۴) کچھ پائخانہ لگا رہ گیا تھا اس نے اسی انگلی کو ناک پر رکھ کر چاند دیکھا تو اس وقت چاند دیکھنے کے ساتھ بدبو بھی آئی تو آپ فرماتی ہیں اونھ اب کے چاند سڑا ہوا (۵) کیوں نکلا۔ چاند میں بدبو کیوں ہوتی، اس نے اپنی خبر نہیں لی بدبو اسی میں تھی یہی بعینہ ہماری حالت ہے کہ اپنے جرائم کی نسبت خدا تعالیٰ کی طرف کرتے ہیں اور اپنے آپ کو پاک صاف سمجھتے ہیں ہماری تو وہ حالت ہے جو مولانا فرماتے ہیں ؎

حملہ برخود می کنی اے سادہ مرد ہمچوں آں شیرے کہ برخود حملہ کرد (۶)

تو ہم خدا پر کیا الزام رکھیں گے اپنی زبان سے اپنے ہی عیب بیان کر رہے ہیں ہماری وہ حالت ہے کہ ایک حبشی بدشکل جا رہا تھا راستہ میں آئینہ پڑا ہوا پایا، اس کو اٹھا کر

(۱) گروہ خداوندی (۲) اللہ کی ذات ان اعتراضات سے پاک ہے (۳) مجبوراً زبان کھولتا ہوں (۴) پخانہ کراتے ہوئے (۵) بدبودار (۶) اے سادہ لوح انسان تم خود ہی اپنے اوپر حملہ آور ہو جیسے شیر نے پانی میں اپنا عکس دیکھا اور اس کو دوسرا شیر سمجھ کر اس پر حملہ کر دیا۔

جو دیکھا تو اس میں اپنی پاکیزہ صورت نظر آئی جھنجھلا کر پھینک دیا اور آپ فرماتے ہیں کہ ایسا بدشکل تھا جبھی تو کوئی پھینک گیا۔ یہی ہمارا حال ہے کہ اپنے عیوب دوسرے میں نظر آتے ہیں اور وہ دوسرا بھی کون؟ ذات حق تبارک وتعالیٰ شانہ ہائے افسوس۔

## احمق بوڑھا

مجھے اس حالت پر ایک اور حکایت یاد آئی کہ ایک احمق بڈھا بیٹھا ہوا تھا اس کا بچہ روٹی کھا رہا تھا ایک ٹکڑا لوٹے میں گر پڑا اس نے جو لوٹے میں سے وہ ٹکڑا نکالنا چاہا تو اسے اپنی شکل لوٹے میں نظر آئی یہ سمجھا کہ اس نے ٹکڑا چھین لیا ہے تو اس نے باپ سے شکایت کی اس نے جو لوٹے میں ہے میرا ٹکڑا چھین لیا ہے، باپ صاحب جو اس لوٹے میں سے ٹکڑا نکالنے گئے تو ان کو بھی اپنی صورت مع ریش مبارک (۱) کے نظر پڑی تو آپ اس کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ تف ہے (۲) تیری اوقات پر کمبخت اس لمبی ڈاڑھی کے ساتھ بچہ کا ٹکڑا لیتے ہوئے شرم نہ آئی۔ تو ہماری مثال اسی احمق کیسی ہے کہ ہم خود اپنے ہی کو بُرا کہہ رہے ہیں اور اپنے ہی عیبوں کا پردہ فاش کر رہے ہیں ذات حق اس سے بہت برتر ہے کہ اس کی طرف ذرا بھی کسی عیب کی نسبت ہو سکے اس کی ذات تمام عیبوں سے پاک ہے ہم نے اپنے عیبوں سے یہاں تک آنکھیں بند کیں ہیں کہ کھلی ہوئی سیاہی بھی نظر نہیں آتی۔

صاحبو! ذرا اپنی مجموعی حالت کو تو دیکھو اور پھر اپنے کو خدا کا گروہ کہتے ہوئے شرماؤ۔ صاحبو! اگر آج حضور ﷺ کے وقت کا کوئی مردہ زندہ ہو جائے اور ہماری اس حالت کو دیکھے تو شاید وہ ہمیں مسلمان اور امت محمدیہ ﷺ بھی نہ سمجھے۔ اس کو اس وقت کی اور اس وقت کی حالت میں زمین و آسمان کا تفاوت نظر آئے گا کیا صاحبو! اس وقت یہی حالت تھی ہماری آمدنی کی جو آج ہے کہ حلال وحرام کا کچھ بھی خیال نہیں کیا

(۱) داڑھی سمیت (۲) تجھ پر افسوس ہے۔

یہی حالت تھی ہمارے اخلاق کی جو آج ہے کہ دیگر اقوام بھی دیکھ کر طعنہ دیتی ہیں۔

## فرقہ ناجیہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میری امت کے بہتر فرقے ہوں گے جس میں سے جنت میں ایک جائے گا۔ وھو ما انا علیه واصحابی اور وہ فرقہ وہ ہے جو میری اور میرے صحابہ کی طرز پر ہو اور ما انا علیه واصحابی صرف نماز روزہ کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ معاشرت کو بھی عام ہے اور یہاں سے میں ایک شبہ کو رفع کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ شاید کوئی صاحب اعتراض کریں کہ آجکل تو کوئی بھی ما انا علیه واصحابی پر پورا عامل نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ باریک کپڑے یہ طرز و انداز لباس کا، جو، اب ہے کہاں تھا یہ سواریاں ریل وغیرہ کی کہاں تھیں۔ تو سمجھ لو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے موافق ہو یا قول کے تو اگر ایک عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے مطابق نہیں مگر قول کے مطابق ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قولاً اس کی اجازت دی ہے تو وہ بھی وھو ما انا علیه واصحابی میں داخل ہے تو اب یہ شبہ جاتا رہا ما انا علیه واصحابی کے خلاف وہ عمل ہوگا جو نہ عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ کے مطابق ہو نہ قول سے اس کی اجازت نکلتی ہو جو کام دونوں کے خلاف ہوگا وہ البتہ مخالفت ما انا علیه واصحابی کا مصداق ہوگا۔ اس کو خوب سمجھ لیجئے۔

## عقائد میں ہماری کوتاہیاں

اس تعمیم (۱) کے بعد اب میں پھر شکایات کا اعادہ کرتا ہوں کہ کیا ہماری کوئی بھی حالت حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے مطابق ہے۔ لوگوں کی اب یہ حالت ہے کہ دین کے پانچ ارکان ہیں ان میں سے کوئی بھی تو درست نہیں۔

(۱) لوگوں کی عمومی حالات بیان کرنے کے بعد۔

# عقیدے کی خرابی

سب سے پہلا جزو عقائد ہیں ان کی یہ کیفیت ہے کہ ہر طرف بدعات اور الحاد کا شیوع ہو رہا ہے(۱) اور الحاد بھی کیسا جو شرک سے بھی بڑھ کر ہے کیونکہ شرک میں خدا تعالیٰ کے کمال کا انکار مشرکین نہیں کرتے وہ لوگ خدا کو بھی مانتے ہیں گو اس کے ساتھ دوسرے کو بھی مانتے ہیں اور اصل شرک کا منشا تعظیم حق ہی ہے مگر مشرکین کو سمجھنے میں غلطی ہوئی اپنے زعم میں وہ تعظیم کرتے تھے مگر حقیقت میں اس سے اور نقص لازم آ گیا بہرحال ان کی نیت تو تعظیم کی تھی۔ بات یہ ہے کہ شرک اس لئے پیدا ہوا کہ مشرکین کے ذہن میں یہ مقدمہ جم گیا کہ چھوٹی چھوٹی اور معمولی چیزوں کا حق تعالیٰ سے مانگنا خلاف ادب ہے اس لئے ایک خدا ایسا بھی ہونا چاہئے جس سے چھوٹی چیزیں مانگی جاویں مگر بیوقوف یہ نہ سمجھے کہ جس کو ہم بڑی چیز سمجھتے ہیں حق تعالیٰ کے نزدیک وہ بھی اس چھوٹی ہی کے برابر ہے وہاں تو ہر کام ذرا سے اشارہ میں ہوتا ہے کیا چھوٹا کیا بڑا تو اگر چھوٹی چیز کا مانگنا بے ادبی ہے تو بڑی کا بھی مانگنا خلاف ادب ہوگا کیونکہ یہ فرق ہمارے اعتبار سے ہے قدرت حق کے سامنے سب برابر ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خیال کی جڑ ہی کاٹ دی ارشاد فرماتے ہیں کہ جوتے کا تسمہ ٹوٹے تو وہ بھی خدا سے ہی مانگو نمک بھی حق تعالیٰ سے مانگو اور اس میں یہی راز ہے کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک سلطنت اور نمک سب برابر ہیں سب ان سے ہی مانگو۔ تو بہرحال عظمت کی حفاظت کے قصد سے شرک پیدا ہوا۔ اگرچہ اس سے حفاظت ہوئی نہیں تو مشرک گو سب سے بدتر ہے مگر اس نے عظمت خداوندی کو تو مانا اور آجکل ایسا الحاد پھیلا ہے کہ بعض خدا ہی کے منکر ہیں یا اگر اس کو مانتے ہیں تو بالکل بیکار سمجھتے ہیں یعنی اس وقت سائنس کا ایسا شیوع(۲) ہوا ہے کہ اکثر مسلمانوں کے دلوں میں اس

(۱) ہر طرف بدعتیں اور ملحدانہ عقائد پھیلے ہوئے ہیں (۲) سائنس اس قدر عام ہوگئی ہے۔

کے مسائل جمے ہوئے ہیں زیادہ تر نو تعلیم یافتہ جماعت اس کی گرویدہ ہے اور سائنس میں قدرت کا صاف انکار ہے کیونکہ اس کا مسئلہ ہے کہ خلاف فطرت کچھ نہیں ہوسکتا فطرت کے خلاف محال ہے گویا فطرت ہی کو فاعل مانتے ہیں(۱) خدا کوئی چیز نہیں تو عقائد کی تو یہ کیفیت ہے کہ ان میں جو عقیدہ اصل اصول ہے یعنی توحید اور وجود صانع عالم(۲) کا اقرار اُسی میں آج کل بعض لوگ متردد ہیں۔

## عقیدہ رسالت میں کوتاہی

رہا دوسرا حصہ رسالت کا تو اس میں بھی سخت کوتاہی کی جارہی ہے۔ حضور ﷺ کے ارشادات پر نکتہ چینیاں ہوتی ہیں رسول اللہ ﷺ کی جو عظمت ہونی چاہئے تھی کہ آپ کے ارشادات کو سر آنکھوں سے قبول کیا جاتا آجکل اس کا پتہ نہیں غضب ہے کہ ہر شخص دین میں رائے دینا چاہتا ہے کیا عظمت رسول ﷺ اسی کا نام ہے جن لوگوں کی عظمت قلوب میں ہے جیسے کہ بادشاہان دنیا ان کے احکام میں نکتہ چینیاں کرتے ہوئے ہم نے کسی کو نہیں دیکھا رہی قیامت تو اس کا تو شاید خواب ہی آ گیا ہوگا بعض کو اس میں بھی شکست ہے(۳)۔

## اعمال میں ہماری کوتاہیاں

اور دوسرا۔۔حصہ اعمال کا ہے۔ سو دیکھ لیجئے کہ مردوں میں نمازی کتنے ہیں، پھر نمازیوں کے گھر میں جا کر دیکھ لیجئے کہ گھر میں نمازی کتنے ہیں نہ بیوی نمازی ہے نہ نوکر اور جو، ان سے کہا جائے کہ تنبیہ کرو تو کہتے ہیں کہ ہم نے تو بہت سمجھایا کوئی مانتا ہی نہیں میں کہتا ہوں کہ اگر کھانے میں گھر والے نمک تیز کر دیا

(۱) فطرت ہی کو ہر کام میں مختار کل مانتے ہیں (۲) اللہ کے وجود اور توحید کے منکر ہیں (۳) بعض کو اس کے آنے کا بھی انکار ہے۔

کریں تو کیا وہاں بھی ایک دفعہ کہنے کے بعد یہ خیال کرلیا ہے کہ بس بہت سمجھا دیا نہیں مانتے تو جانے دو وہاں تو ایک دفعہ کہہ کر کوئی بھی خاموش نہیں ہوتا بلکہ ڈنڈا لے کر تیار ہوجاتے ہیں تو کیا نماز پر بھی کبھی ناخوشی ظاہر کی ہے اس کہنے کو کہنا نہیں کہا جاتا۔ یاد رکھو اس کا مواخذہ آپ سے بھی ہوگا۔ اور زکوٰۃ تو شاید کبھی دیتے ہوں وہاں تو یہی خیال رہتا ہے کہ چالیس ہزار میں سے ایک ہزار نکلیں گے اور جو لوگ دیتے بھی ہیں تو بعض ان میں سے بڑی چالاکیاں کرتے ہیں۔

کان پور میں ایک شخص یہ کرتے تھے کہ ہنڈیا میں روپے بھر کر اوپر سے اس میں اناج بھر دیتے تھے اور ایک غریب آدمی کو دے دی اور پھر اس سے خود ہی خرید لی کہ زکوٰۃ بھی اس طرح ادا ہوجائے گی اور روپیہ گھر کا گھر ہی میں رہے گا بعض لوگ حج کرنے نہیں جاتے کہ تجارت کے کاروبار سے فرصت نہیں، افسوس دنیا میں اس درجہ انہماک ہوا ہے کہ فریضہ اسلام کی بھی پرواہ نہیں ہے۔

## معاملات میں کوتاہی

معاملات: تو ان کی تو ایسی گندی حالت ہے کہ خدا کی پناہ کوئی ایک آدھا آدمی ایسا ہوگا جو کہ سود سے بچتا ہو آجکل سود اس کو سمجھتے ہیں کہ ایک روپیہ دے کر سوا روپیہ لیا جاوے۔ یاد رکھو بیع فاسد کی تمام صورتیں سود ہی ہیں بیجک (۱) آجانے پر مال کا بیچنا یہ بھی سود ہے اور ناجائز ہے۔ اور سیکڑوں مسلمان ایسا کرتے ہیں میں نے قریب ہی بیان کیا تھا حلال وحرام کا معیار آجکل یہ رہ گیا ہے کہ جس کھانے میں گھی زیادہ ہو وہ حلال ہے ورنہ حرام استغفراللہ یہ بھی کچھ کم جہالت ہے۔ صاحبو! آپ خوب سمجھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ معاملات میں کبھی کوئی شخص علماء سے رجوع نہیں

(۱) مال ابھی وصول نہیں ہوا اس کی صرف فہرست موصول ہوئی جس میں مال کی تفصیل موجود ہے اور اس کی قیمت بھی لکھی ہوئی ہے۔ اسی پر آگے مال بیچ دیا جاتا ہے، اس کو بیجک کہتے ہیں یہ بیع قبل القبض ہے جو ناجائز ہے۔

کرتا صرف وکیلوں سے قانونی سوال جواب کر کے تسلی کر لیتے ہیں اگر آپ نے کبھی کوئی گاؤں خریدا ہوگا تو اس کا مسودہ کسی وکیل سے تو لکھوالیا ہوگا مگر کسی عالم سے پوچھنے کی نوبت نہ آئی ہوگی۔ غرض معاملات میں آجکل حلال وحرام کی کوئی بھی تمیز نہیں کیونکہ اس کو دین سے خارج سمجھ رکھا ہے۔ دین صرف نماز روزہ کو سمجھ رکھا ہے۔

## معاشرتی کوتاہیاں

اس کے آگے معاشرت ہے کہ آجکل اس کی حالت تو نورٌ علی نور ہورہی ہے ساری معاشرت کا خلاصہ اور حاصل یہ ہے کہ غیر قوموں کی تقلید پر فخر کیا جاتا ہے اٹھنے میں بیٹھنے میں کھانے میں پینے میں وضع میں لباس میں یہاں تک کہ لہجہ میں بھی غیر قوموں کی تقلید کی جاتی ہے اگر کوئی حدیث (من تشبہ بقوم فھومنھم)(۱) پڑھ دے تو اس کو متعصب کہتے ہیں میں کہتا ہوں کہ من تشبہ بقوم فھو منھم تو تمام عقلاء کے نزدیک مسلم ہے اس کا انکار کوئی کر ہی نہیں سکتا اور اگر ایسا نہیں ہے تو ذرا آپ اپنی بیگم صاحبہ کا لباس تو پہن کر مجمع میں چلے آیئے اگر اور بھی کچھ نہیں تو کم از کم زنانے پن کا خطاب تو ہر طرف سے مل ہی جائے گا تو اگر کسی نے آپ کو کافروں کا لباس پہنے ہوئے دیکھ کر ان کے مشابہ کہہ دیا تو کیا ظلم کیا۔

## اخلاقی کوتاہیاں

اخلاق کی حالت یہ ہے کہ جو اچھے اخلاق تھے ان کا نام ونشان مسلمانوں میں سے مٹتا جاتا ہے۔ اخلاص شکر وصبر توکل ،حمیت، غیرت، تواضع ، مروت، ہمدردی، رحم، ایفاء وعدہ یہ اخلاق حسنہ ہیں ہمارے اندر ان کے بجائے ریا، فخر، تکبر، حسد، کینہ، بخل، خلاف وعدگی اور جھوٹ وغیبت رہ گئے ہیں تو دین کے پانچ

(۱) جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے انہی میں شمار ہوگا۔

اجزاء تھے۔ عقائد، عبادات، معاملات و معاشرت و اخلاق پانچوں کی یہ حالت ہے جو میں نے عرض کی۔

## ہم پر عذاب نہ آنا رحمت خداوندی ہے

پھر ہم اپنے کو اللہ کی جماعت بتلاتے ہیں اور مستحق بننا چاہتے ہیں عزت و ترقی و غلبہ کے اور جب پستی ہوتی ہے۔ تو سوال کرتے ہیں کہ یہ وعدہ الٰہی خلاف کیوں ہوا کیا اب بھی ہمارا منہ سوال کا ہے۔ حزب اللہ ایسے ہی ہوتے ہوں گے میں بقسم کہتا ہوں کہ اگر ہم پر پکڑ میں کمی ہو تو یہ تعجب کی بات ہے ایک جرائم پیشہ اگر دس سال تک بچا رہے تو اس پر تعجب ہوسکتا ہے نہ کہ اس کی گرفتاری پر۔ مگر آجکل ہمارے بھائی مسلمانوں پر جن میں۔ میں بھی داخل ہوں جب کوئی مصیبت آتی ہے تو آپس میں یوں کہا کرتے ہیں کہ خدا جانے ہم کس گناہ میں پکڑے گئے افسوس بجائے اس کے کہ یوں کہتے اللہ اکبر حق تعالیٰ کس قدر حلیم ہیں کہ بہت دنوں کے بعد پکڑا۔ الٹی اپنی براءت ظاہر کرتے ہیں کہ خدا جانے ہم کس گناہ میں پکڑے گئے۔ ارے ظالم گناہ سے خالی ہمارا کون ساوقت گزرتا ہے ہم کو تو اگر روز سزا نہ ملے تو تعجب ہونا چاہئے۔ تندرستی رہے تو حیرت کی بات ہے اور مواخذ ہو۔ تو تعجب ہونا ہی نہ چاہئے۔

## اشکال کا جواب

اگر اس پر یہ اشکال کیا جائے کہ اس سے تو لازم آتا ہے کہ حزب اللہ (اللہ کا گروہ) کبھی دنیا میں ہوا ہی نہ ہو کیونکہ انبیاء اور اولیاء پر بھی مصائب آئے تھے تو کیا وہ بھی گناہ کی بدولت ہے اس کا جواب یہ ہے کہ واقعی حقیقی مصیبت جب آتی ہے گناہ کی وجہ سے آتی ہے باقی ان حضرات پر مصیبت کی صورت ہوتی ہے حقیقت مصیبت کی ان میں موجود نہیں ہوتی۔ ان کو اس میں ایک لطف آتا ہے بھلا مصیبت

میں بھی کسی کو لطف آیا ہے وہ ان کے امتحان اور رفع درجات کے لئے صورۃً مصیبت ہوتی ہے اور جہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا اولیاء اللہ سے پریشانی کی مصیبت کا پتہ چلتا ہے وہاں ان سے بھی کوئی لغزش ہوئی ہے چنانچہ غزوہ احد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت تیراندازوں کی ایک جگہ پر متعین فرمادی تھی جب وہ غنیمت لوٹنے کے لئے وہاں سے ہٹ گئے تو شکست ہوگئی۔ اسی لئے ارشاد فرماتے ہیں: ﴿قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ﴾(۱) ﴿اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا﴾(۲) یعنی جو کچھ واقعہ شکست غزوہ احد میں ہوا یہ تمہاری طرف سے ہوا۔ شیطان نے ان کو پھنسادیا بوجہ بعض گناہوں کے ایک جماعت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر عمل نہیں کیا تھا اس کے بدل میں صحابہ گرفتار ہوگئے۔ اور اس کا دوسرا جواب بھی ہے مگر یہی جواب کافی ہے۔

## شبہ کا جواب

اور اگر یہ شبہ کیا جائے کہ جو لوگ آج کل ترقی اور عروج و غلبہ پائے ہوئے ہیں وہ کونسے اللہ کی جماعت ہیں ان کو غلبہ کیوں حاصل ہوا تو سمجھو یہ شبہ بالکل غلط ہے اس کو طالب علم خوب جانتے ہیں کہ اس آیت میں یوں ارشاد فرمایا ہے جو اللہ کا گروہ ہے وہ غالب ضرور ہوگا یہ نہیں فرمایا کہ جو غالب ہو وہ اللہ کا گروہ ہے اس کی ایسی مثال ہے کہ ہم یوں کہیں کہ ہر انسان جاندار ہے یہ بات صحیح ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر جان دار انسان ہوجائے بہت سے جاندار انسان نہیں جیسے گھوڑے، گدھے۔ تو انسان ہونے کے لئے تو جاندار ہونا لازم ہے مگر جاندار ہونے کے لئے انسان ہونا لازم نہیں۔ طالب علمی اصطلاح میں یوں کہا جائیگا کہ کل انسان حیوان ہے کل حیوان انسان لازم نہ آئے گا تو کسی جماعت کے

(۱) سورۂ آل عمران: ۱۶۵ (۲) سورہ آل عمران ۱۶۶۔

عروج پر غلبہ سے یہ نہیں سمجھا جاسکتا کہ وہ اللہ کی جماعت ہے ہاں جو اللہ کی جماعت بنی ہوگی وہ ضرور غالب ہوگی مگر ہم ایسے ہیں کہاں۔

## کفار کے غلبہ کی وجہ

اب رہا یہ سوال کہ اچھا اس میں کیا حکمت ہے کہ کفار کو عروج اور غلبہ دے دیا گیا جب وہ خدا کے باغی ہیں اور سرکش ہیں تو ان کو یہ عزت کیوں حاصل ہوئی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ اپنی حالت کو ذرا غور سے دیکھئے کہ آپ کے ساتھ دو قسم کے لوگ تعلق رکھتے ہیں ایک دوست دوسرے دشمن دوستوں سے ذرا سی بات میں رنج ہو جاتا ہے اور دشمن کے ذرا سے ہنر کی قدر ہوتی ہے جب یہ قاعدہ سمجھ میں آ گیا اور اب سنئے کہ جو لوگ حق تعالیٰ شانہ کے ساتھ مدعی محبت ہیں ان سے ذرا سی بات میں عتاب ہو جاتا ہے اور کفار باغی ہیں ان کی ذرا سی خوبی پر انعام ہو جاتا ہے اب دیکھئے کہ کوئی مسلمان ایسا نہیں جس میں کوئی معصیت نہ ہو(۱) اور کوئی کافر ایسا نہیں جس میں کوئی نہ کوئی خوبی نہ ہو اور ان کی جزا کی بابت یہ قانون ہے ﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ○ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾(۲)

**کہ جو دنیا کو مقصود بالذات سمجھتے ان کے اعمال کا بدلہ ان کو دنیا ہی میں پورا کر دیا**

(۱) گناہ (۲) ''جو شخص (اپنے اعمال خیر سے) محض حیات دنیوی (کی منفعت) اور اس کی رونق (کا حاصل کرنا) چاہتا ہے تو ہم ان لوگوں کے (ان) اعمال (کی جزاء) ان کو اس (دنیا) ہی میں پورے طور سے بھگتا دیتے ہیں اور ان کے لئے اس (دنیا) میں کچھ کمی نہیں ہوتی۔ یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے لئے آخرت میں بجز دوزخ کے اور کچھ (ثواب وغیرہ نہیں اور انہوں نے اس (دنیا) میں جو کچھ کیا تھا وہ (آخرت میں سب کا سب) ناکارہ ثابت ہوگا اور (واقع میں تو) جو کچھ کر رہے ہیں وہ اب بھی بے اثر ہے۔ سورۂ ھود: ۱۵، ۱۶۔

جاتا ہے۔ ان لوگوں کے لئے آخرت میں سوائے جہنم کے کچھ نہیں اور مسلمانوں کے لئے ارشاد ہے: ﴿اَعَدَّاللّٰہُ لَھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ﴾ کہ ان کے واسطے حق تعالیٰ نے جنت تیار کر رکھی ہے تو ان کا اجر تو موجود ہے آخرت میں اور کفار میں جو خوبیاں اور بھلے کام ہیں ان کا اجر دنیا میں موعود ہے(۱) تو ان کو یہاں غلبہ وعزت دے دی جاتی ہے کیونکہ آخرت میں ان کا کچھ نہیں اور مسلمانوں کی جو طاعات ہیں ان کا اجر تو آخرت میں موعود ہے(۲) اور معصیت(۳) کا اثر کبھی دنیا میں بھی پہنچ جاتا ہے۔ اس لئے کبھی ان پر بوجہ معاصی کے مصائب بھیج دی جاتی ہے مگر یہ یاد رکھا جائے کہ انجام مسلمانوں ہی کے لئے اچھا ہوتا ہے کیونکہ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ﴾(۴) تو کسی معصیت اور ذلت سے گھبرانا نہ چاہیئے بلکہ یہ سمجھنا چاہئے کہ انشاء اللہ اس کا انجام ہمارے لئے اچھا ہوگا اور یہ جواب تو اس وقت ہے جبکہ یہ پستی اور ذلت بوجہ معاصی کے مانی جائے۔

## مصیبت کے متفرق اسباب

مگر مصیبت کبھی دوسری وجہ سے بھی آتی ہے یعنی رفع درجات کے لئے اس کو خوب سمجھ لیجئے کیونکہ مولویوں پر یہ بھی اعتراض ہے کہ وہ تو یہ کہتے ہیں کہ مصیبت بوجہ گناہ کے آتی ہے حالانکہ ہم نے بزرگوں کو بھی مبتلائے مصیبت دیکھا ہے بات یہ ہے کہ مولوی یہ نہیں کہتے کہ صورت مصیبت بھی ہمیشہ معاصی ہی کے سبب سے آتی ہے بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ صورت مصیبت معصیت کی وجہ سے بھی آتی ہے اور اس باب میں ان کی دلیل یہ ہے: ﴿مَآ اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ

(۱) جزاء کا دنیا ہی میں دینے کا وعدہ ہے (۲) آخرت میں اسکی جزاء کا وعدہ ہے (۳) گناہ (۴) اور انجام متقیوں ہی کا بہتر ہے۔

اَیۡدِیۡکُمۡ ﴾(۱) لیکن اس کے مخاطب اہل معاصی ہیں صلحاء اس کے مخاطب نہیں حاصل کلام یہ ہوا کہ خطا کاروں پر تو مصیبت گناہ کی وجہ سے آتی ہے اور صلحاء پر اس لئے آتی ہے ؎

زاں بلا ہا کا نبیا برداشتند سر بہ چرخ ہفتمیں افراشتند (۲)

حضرات! خبر بھی ہے انبیاء علیہم السلام کون ہیں ان سے زیادہ حق پر کون ہوگا۔ لیکن ان پر بھی مصائب صوریہ نازل ہوئے ہیں کہ ایک تاریخ میں ستر ستر نبی شہید ہوئے ہیں اگر آپ اس وقت ہوتے تو مولویوں کی جان کھا جاتے۔ پس یاد رکھئے کبھی تو مصیبت سے عقوبت اور سزا مقصود ہوتی ہے اور کبھی رفع درجات چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ وَلَمَّا یَاۡتِکُمۡ مَّثَلُ الَّذِیۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلِکُمۡ ؕ مَسَّتۡهُمُ الۡبَاۡسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلۡزِلُوۡا حَتّٰی یَقُوۡلَ الرَّسُوۡلُ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ مَتٰی نَصۡرُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ نَصۡرَ اللّٰهِ قَرِیۡبٌ﴾(۳)

حضرات یہ قریب حق تعالیٰ کے یہاں کا قریب ہے جس کو ہم اندازہ نہیں کر سکتے ایک جگہ قیامت کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اِنَّهُمۡ یَرَوۡنَهٗ بَعِیۡدًا وَّ نَرٰىهُ قَرِیۡبًا﴾(۴)۔

---

(۱) اور تم کو (اے گناہگارو) جو کچھ مصیبت پہنچی ہے تو وہ تمہارے ہی ہاتھوں کے کئے ہوئے کاموں سے (پہنچتی ہے) سورۂ شوریٰ: ۳۰ (۲) جو انبیاء کی طرح مصائب برداشت کرتے ہیں اور صبر کرتے ہیں تو اس کی وجہ سے وہ ساتوں آسمانوں کی بلندیوں پر سرفراز ہوتے ہیں (۳) یعنی کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ جنت میں فوراً چلے جاؤ گے حالانکہ ابھی تمہارے اوپر وہ حالت تو گزری ہی نہیں جو کہ پہلوں پر آئی تھی کہ ان کو مصیبت مالی وجانی اس قدر پہنچی اور ایسے جھڑ جھڑائے گئے کہ رسول اور مومنین سب کہنے لگے کہ خدا تعالیٰ کی امداد کب ہوگی سن لو کہ امداد خدائی نزدیک ہی ہے۔ سورہ بقرہ: ۲۱۴ (۴) ''یہ لوگ اس دن کو (بوجہ اعتقاد نفی کے وقوع سے) بعید دیکھ رہے ہیں اور ہم اس کو (وقوع سے) قریب دیکھ رہے ہیں''۔

حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے جب فرعون کی تباہی کے لئے دعا فرمائی تھی تو اسی وقت ارشاد ہو چکا تھا: ﴿قَدْ اُجِیْبَتْ دَّعْوَتُکُمَا﴾ کہ تمہاری دعا قبول ہوگئی مگر اس کا ظہور چالیس سال کے بعد ہوا غرض انبیاء علیہم السلام سے زیادہ کون مقبول ہوگا ان پر بھی مصائب آئے ہیں وہاں کونسے گناہ کی سزا تھی وہ اسی رفع درجات کے لئے تھے۔

## مسلمانوں کی آزمائش

دوسرے مقام پر ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ﴾ (۱) کیا لوگوں نے یہ گمان کرلیا ہے کہ اٰمَنَّا کہنے سے وہ چھوڑ دیئے جائیں گے اور ان کی آزمائش نہ ہوگی۔ حالانکہ ان سے پہلوں کی ہم آزمائش کر چکے ہیں (تو ان کو بھی ضرور جانچیں گے) صاحبو! آپ کبھی امتحان دیتے ہیں یا نہیں اس وقت حق تعالیٰ شانہ آپ کا امتحان لے رہے ہیں کہ ذرا جھڑ جھڑاؤ (۲) کیونکہ ہم آرام کے عادی ہوگئے تھے ذلت و مصیبت سے ہمارا امتحان کیا گیا ہے جس میں ہماری حالت یہ ہونی چاہئے ؎

زندہ کنی عطاء تو ور بکشی فدائے تو دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی عطائے تو (۳)

صاحبو! ہمارا مذہب تو عشق ہے کیونکہ ہم مومن ہیں اور مومن کی شان یہ ہے: ﴿وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ﴾ یعنی مومنین کو اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ محبت ہوتی ہے اور آپ کو معلوم بھی ہے عشق کس کا نام ہے آپ تو یہ سمجھے ہوں گے کہ آرام کا نام عشق ہے ہرگز نہیں کسی نے کیا خوب کہا ہے۔ سنئے اس کا نام عشق ہے ؎

(۱) سورۂ عنکبوت: ۲ (۲) جھنجھوڑو (۳) اگر زندگی دیں آپ کی عطاء ہے اگر موت دیں تو یہ جان آپ پر فدا ہے۔ میرا دل آپ کی محبت میں گرفتار ہے جو چاہے سو کیجئے۔

عاشقی چیست بگو بندۂ جانا بودن دل بدست دگرے دادن وحیران بودن
سوئے زلفش نظرے کردن درویش دیدن گاہ کافر شدن وگاہ مسلمان بودن (۱)

کافر ومسلمان بودن سے مراد ہے فنا و بقاء خلاصہ یہ ہے کہ عاشق اپنے اختیار میں نہیں ہوا کرتا تو ہم بھی اپنے اختیار میں نہیں ہیں محبوب حقیقی کے ہاتھوں سارا معاملہ چھوڑ دینا چاہیئے وہ چاہیں کریں آپ کون ہیں یہ تجویز کرنے والے کہ آپ کو عروج ہی ہو ترقی ہی حاصل رہے حق تعالیٰ شانہ جانچتے ہیں کہ دیکھیں آپ کو ان سے کتنی محبت ہے کبھی حق تعالیٰ کی طرف سے بلاؤں کا امتحان بھی ہوا کرتا ہے اگر آپ اس میں پھسل گئے تو وہ حالت ہوگی جس کی بابت ارشاد ہے: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ِۨ اطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ِۨ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ۚ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ﴾ (۲)

بعض لوگ حضور ﷺ کے زمانہ میں ایسے بھی تھے کہ اسلام لاتے تھے اس کے بعد بیوی نے بچہ دیدیا اولاد ہوگئی یا غنیمت کا مال حاصل ہوگیا تو قلب کو اطمینان ہوگیا ورنہ دین کو چھوڑ دیتے تھے تو کیا ایسا ہونا چاہتے ہو۔ دوسرے مقام پر ارشاد ہے: ﴿فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ ۞ وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ﴾ (۳)

---

(۱) عاشقی کیا ہے محبوب کا بندہ ہوجانا ہے دل محبوب کے حوالے کر کے حیران ہوجائے وہ جو چاہے کرے چاہے حالت قبض میں رکھے یا حالت بسط میں اس کی طرف سے تفویض ہونی چاہیئے اس کے قرب پر نظر رکھے اور اس کا فقیر ومحتاج بن کر رہے وہ جو چاہے کرے چاہے فنا کرے یا باقی رکھے (۲) ''یعنی بعض لوگ حق تعالیٰ شانہ کی عبادت (اوپرے دل سے کرتے ہیں) تو اگر (عبادت کے بعد) کوئی اچھی حالت پیش آگئی تو اسلام پر مطمئن ہوگئے اور اگر کوئی مصیبت پیش آگئی تو الٹے پھر گئے دنیا وآخرت دونوں میں ناکام ہوئے یہی ہے کھلی ناکامی'' سورۂ الحج:۱۱ (۳) ''یعنی بعض انسانوں کی یہ حالت ہے کہ جب حق تعالیٰ شانہ اس کا امتحان اس طرح لیں کہ اس کو عزت ونعمت عطا فرمائیں تو وہ (خوش ہوکر) کہتا ہے کہ خدا نے میری عزت کی اور اگر اس طرح آزمائش کریں کہ اس کی روزی تنگ کردیں تو کہتا ہے کہ خدا نے مجھے ذلیل کردیا'' سورۂ الفجر:۱۵۔۱۶۔

یعنی بعض انسانوں کی یہ حالت ہے کہ جب حق تعالیٰ شانہ اس کا امتحان اس طرح لیں کہ اس کو عزت ونعمت عطا فرمائیں۔ تو وہ خوش ہوکر کہتا ہے کہ خدا نے میری عزت کی اور اگر اس طرح آزمائش کریں کہ اسکی روزی تنگ کردیں تو کہتا ہے کہ خدا نے مجھے ذلیل کردیا۔

اور اب وہ خدا سے ناراض ہوجاتا ہے۔

## مسلمانوں پر مصائب میں حکمتیں

ایک مقام پر حق تعالیٰ نے ان دونوں باتوں کو ذکر فرمایا ہے کہ تمہاری مغلوبیت میں چند حکمتیں تھیں اور کفار کا غلبہ ان کے اہل حق ہونے کی دلیل نہیں:

﴿اِنْ یَّمْسَسْکُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ط وَتِلْكَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیْنَ النَّاسِ ج وَلِیَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَیَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ط وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ لا وَلِیُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَیَمْحَقَ الْكٰفِرِیْنَ ۔اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا یَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَیَعْلَمَ الصّٰبِرِیْنَ﴾(۱)

واللہ مصیبت کی عجیب حکمت بیان فرمائی مسلمانون یہ مصیبت ظاہر میں مصیبت ہے ورنہ حقیقت میں راحت ہے کیونکہ اس کی بدولت سب کو دین کی طرف توجہ ہوگئی ہے۔ اس راز کو جو سمجھ گئے ہیں وہ بلاؤں پر خوش ہوتے ہیں ؎

ناخوش تو خوش بود برجان من دل فدائے یار دل رنجان من(۲)

(۱) ''یعنی اگر تم کو کوئی زخم لگا ہے تو تمہارے مخالفوں کو بھی اس جیسا زخم لگ چکا ہے اور ان ایام کو ہم لوگوں میں نوبت نوبت (باری باری) پھیرتے رہتے ہیں۔ (اور تمہاری اس مصیبت میں حکمت یہ تھی کہ) حق تعالیٰ شانہ مومنوں کو جانچ لیں اور تم میں سے بعض کو شہید بنادیں اور حق تعالیٰ شانہ ظالموں کو نہیں چاہتے۔ اور تاکہ مسلمانوں کو منافقوں سے الگ کردیں اور کافروں کو مٹادیں آیا تم نے یہ گمان کرلیا ہے کہ تم جنت میں ابھی سے داخل ہوجاؤ اور حق تعالیٰ نے مومنوں کو اور صابرین کو جانچا بھی نہیں'' سورۂ آل عمران: ۱۴۰ تا ۱۴۲ (۲) ''آپ کی خوشی ناخوشی میری جان پر ہے دل تو محبوب ہی کا ہے''۔

بس زبون وسوسہ باشی دِلا گر طرب را باز دانی از بلا(۱)

عارف شیرازیؒ صبر کی فضیلت میں فرماتے ہیں ؎

باغباں گر پنج روزے صحبت گل بایدش

حق تعالیٰ نے مصیبت کی ایک حکمت یہ بھی بیان فرمائی ہے: (ویعلم الصابرین) یعنی تاکہ مصیبت کی وجہ صابرین غیر صابر سے ممتاز ہوجائیں اور حق تعالیٰ اپنے صابر بندوں کو جانچ لیں صاحبو! اگر ہمیشہ راحت ہی رہا کرے تو صبر کا کونسا موقع ہوگا۔

باغباں گر پنج روزے صحبت گل بایدش برجفائے خار ہجراں صبر بلبل بایدش

اے دل اندر بند زلفش از پریشانی منال مرغ زیرک چون بدام افتد تحمل بایدش(۲)

اور اگر کسی کو اپنے علم وعمل پر ناز ہوکر بلا میں استبعاد ہونے لگے تو اس کے لئے فرماتے ہیں ؎

تکیہ برتقویٰ ودانش درطریقت کافری ست راہرد گر صد ہنر دارد توکل بایدش(۳)

تو صاحبو! کیا یہ تھوڑی بات ہے کہ حق تعالیٰ مصیبت بھیج کر آپ کو صابر بنانا چاہتے ہیں اور آپ کو صبر کا ثواب دینا چاہتے ہیں کیا آپ کو خدا کی رحمت سے مایوسی ہوگئی کیا یہ خیال ہے کہ ہمیشہ یہی حال رہے گا۔

---

(۱)''تم بالکل مغلوب وساوس سمجھے جاؤ گے اگر محبوب کے طرب و بلا میں فرق سمجھو گے''(۲)''اے باغ کے مالی اگر تو چند روز کے لئے پھول کی صحبت میں رہنا چاہتا ہے تو جدائی کے کانٹوں کے ظلم پر تجھ کو صبر بلبل اختیار کرنا چاہئے اے دل محبوب کی زلف کی قید میں پھنس کر پریشان ہوکر مت چیخ۔عقلمند پرندہ جب جال میں پھنس جاتا ہے تو اس کو صبر برداشت سے کام لینا چاہئے''(۳)''طریقت میں تقوی عقل پر بھروسہ کرنا ناشکری ہے چاہے تمہارے اندر سو خوبیاں ہوں پھر بھی تمہیں توکل اختیار کرنا چاہئے''۔

## علاج مصیبت

دیکھئے صاحب ملک خدا کا ہے آپ کون ہیں رائے دینے والے کہ یہ ہو وہ نہ ہو جبکہ آپ کے نوکر کو آپ کے معاملات میں دخل دینے کا اختیار نہیں تو آپ کو خدا تعالیٰ کے معاملات میں دخل دینے کا کیا اختیار ہے۔ آپ کا تو کام یہ ہے کہ جب مصیبت آئے اپنے اعمال پر نظر کیجئے اور ان میں جو کوتاہی ہوگئی ہے اس کی اصلاح کیجئے یہ کیا خرافات ہے کہ مصیبت کے وقت بجائے اپنی اصلاح کے خدا کی شکایت کرنے لگے۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

غم چو بینی زود استغفار کن غم بامر خالق آمد کارکن (۱)
ہرچہ بر تو آید از ظلمات و غم آن زبیبا کی وگستاخی ست ہم (۲)

## لوگوں کے اشکالات کا جواب

اب نفس شبہات تو بحمداللہ تعالیٰ سب رفع ہوگئے مگر ان شبہات کی تقریر لوگ آجکل مختلف طریقوں سے کرتے ہیں میں ان طرق تقریر کو بھی بیان کرکے اجمالاً اس کا رد کئے دیتا ہوں اگرچہ اس کی ضرورت نہیں کیونکہ میری اس تمام تقریر کو ان شبہات پر منطبق کرکے جواب بآسانی معلوم ہوسکتا ہے مگر تبرعاً شک کرنے والوں کے الفاظ ہی سے شبہ کو بیان کرکے اس کا بھی رد کئے دیتا ہوں۔ بعض تو یہ کہتے ہیں کہ آجکل مسیحی ترقی پر ہیں معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ بھی تثلیث (۳) کیطرفداری کرتے ہیں تو صاحبو! سمجھ لیجئے کہ حق ناحق کا مدار غلبہ وترقی پر نہیں ہے بلکہ اس کا مدار دلائل پر ہے۔ ورنہ خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں خبر دے چکے ہیں

(۱) جب تمہیں غم پیش آئے تو استغفار کی کثرت کرغم بھی اللہ ہی کی طرف سے آتا ہے اس کے رفع کرنے کا کام یعنی استغفار کرو (۲) تجھ پر جو بھی پریشانی وغم آتا ہے سب تیری گستاخیوں اور بے باکیوں کی وجہ سے ہے (۳) تین خدا ہونے کے عقیدے کی حمایت کرتے ہیں۔

کہ ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ دنیا میں کافر ہی کافر ہوں گے۔ مسلمان کوئی نہ ہوگا تو کیا اس وقت اسلام حق نہ رہے گا۔ صاحبو اگر دین کے حق ہونے کی یہی علامت ہوا کرے کہ اس کے متبعین ترقی اور غلبہ پر ہوں (۱) تو دنیا دار الابتـــلاء نہ ہوتا (۲) ایمان بالغیب کچھ نہ رہتا جانچ اور آزمائش نہ ہوسکتی اس لئے کہ کامیابی کی طرف تو سبھی آیا کرتے ہیں خوب سمجھ لو کہ حق ناحق کا مدار دلائل پر ہے کامیابی یا ناکامی دنیا پر نہیں ہے۔ پس اگر کسی وقت اہل تثلیث ترقی پر ہوں اور ان کو غلبہ حاصل ہو تو تثلیث حق نہ ہوجائے گی بلکہ حقیقت میں اس وقت بھی اسلام ہی حق ہوگا اس کی ایسی مثال ہے کہ سپرنٹنڈنٹ پولیس گرفتار ہوں اور ایک باغی سلطنت ابھی تک گرفتار نہ ہو تو بتلایئے ان دونوں میں سے افضل واعلیٰ کون ہے بظاہر تو سپرنٹنڈنٹ سے باغی اچھا معلوم ہوتا ہے کہ وہ آرام سے پھرتا ہے اور جو چاہے کرتا ہے نہ پابندی قانون ہے نہ کسی کی غلامی اور سپرنٹنڈنٹ بظاہر ادنی معلوم ہوتا ہے کہ محبوس ہے، قید خانہ میں پڑا ہوا ہے کچھ نہیں کرسکتا مگر حقیقت شناس سمجھتا ہے کہ سپرنٹنڈنٹ گو قید میں ہے باغی سے بہرحال افضل ہے کیونکہ وہ جب رہا ہوگا پھر حاکم کا حاکم ہے بلکہ وہ تو قید میں بھی حاکم ہے کیونکہ حکام کی قید بھی دوسروں کی قید سے سہل ہوتی ہے ان کا پورا اعزاز قید میں بھی ہوتا ہے۔ اور باغی اگرچہ بھاگا پھرتا ہے مگر جب گرفتار ہوگا جان سے مارڈالا جائے گا اور اس کی لاش جانوروں اور کتوں کے آگے ڈالدی جائے گی اور وہ ہر وقت خطرہ میں ہے اس لئے کہ باغی ہے اور سپرنٹنڈنٹ کو قید میں بھی انعام سلطانی کی امید ہے کیونکہ اس نے کبھی تو خدمات کی ہیں۔

## اصل مقصود

پس کامیابی و ناکامی دنیا پر مدار ہرگز نہ رکھنا چاہئے بلکہ مصیبت کے وقت

(۱) اس کی پیروی کرنے والے ترقی پر ہوں (۲) دنیا تو آزمائش کا گھر ہے۔

اپنی حالت کو درست کرنا چاہئے اور زبان کو بند کرنا چاہئے اس لئے کہ اس سے آپ اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں بہتر یہ ہے کہ ذرا بیداری پیدا کیجئے اور اپنی حالت کو درست کر لیجئے کیونکہ اگر اس بک بک سے حق تعالیٰ شانہ کو غصہ آ گیا اور ہمیشہ پستی ہی رہی کبھی راحت نصیب نہ ہوئی تو آپ کو اس بک بک سے کیا فائدہ ہوگا بلکہ اس بک بک سے وہاں کا (یعنی آخرت کا) گھر بھی ہاتھ سے جاتا رہے گا اور اگر آپ کو ہمیشہ ترقی حاصل رہی تو اس سے کتنی دیر کا فائدہ ہوگا۔ آخر دنیا فنا ہوگی وہاں پھر اعمال کی باز پرس ہوگی بلکہ تمام ترقی و راحت کی ضرورت بھی اس لئے ہے تاکہ اطمینان سے احکام خداوندی پر عمل کیا جائے ارشاد ہے: ﴿اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ﴾ (۱)

پس آرام دینے سے غرض حق تعالیٰ کی یہی ہوتی ہے کہ شریعت پر پوری طرح عمل کیا جائے اس کے احکام کی اشاعت کی جائے۔

خوردن برائے زیستن و ذکر کردن ست تو معتقد کہ زیستن از بہر خوردن ست (۲)

حق تعالیٰ شانہ نے مسلمانوں کو بہت کچھ ترقی و عروج دیا تھا اور اس سے غرض یہ تھی کہ دین کو قائم کریں دین کو رونق دیں انہوں نے سمجھا کہ یہ عروج عیاشی برتنے کے لئے دیا ہے اس پر یہ سزا ہوئی کہ اب مسلمان پستی کی حالت میں ہیں اب ان پر جو کچھ بھی مصائب آئیں اسی کی سزا ہے حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں: ﴿اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا﴾ (۳)۔

(۱) ''یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم اُن کو دنیا میں حکومت دیں تو یہ لوگ (خود بھی) نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں) سورۂ الحج (۲) کھانے پینے زندگی بچانے اور ذکر کرنے کے لئے ہے تم سمجھتے ہو کہ زندگی کھانے پینے کے لئے ہے (۳) کیا وہ اس (امر) کو نہیں دیکھ رہے کہ ہم زمین کو ہر (چہار) طرف سے برابر کم کرتے چلے آتے ہیں'' سورۂ رعد۔

اس شبہ کا جواب اچھی طرح بحمداللہ ہوگیا۔ اگر اب بھی اس کا کوئی جزورہ گیا ہو تو اس کو صاف کر لیجئے کیونکہ راحت دنیا اور ترقی مال ودولت سے زیادہ ضروری اس کی حفاظت ہے اصل مقصود ایمان ہے ترقی مقصود نہیں۔ پس اگر کوئی شبہ اب بھی رہ گیا ہو تو ضرور پوچھئے۔ زبان سے پوچھئے۔ خط سے پوچھئے۔ ایک مولوی سے تسلی نہ ہو دوسرے تیسرے سے پوچھئے اگر آپ کے سر میں درد ہو جائے تو اس کے علاج کے لئے ایک طبیب سے رائے لیتے ہیں اس سے نفع نہ ہو دوسرے سے رجوع کرتے تیسرے سے درخواست کرتے ہیں تو کیا دینی مرض کی اتنی بھی پرواہ نہیں ایمان کی اتنی بھی قدر نہیں۔ میں پھر کہتا ہوں کہ اپنی حالت کو درست کرو اور جناب باری میں اپنی اور تمام مسلمانوں کے لئے دعا کرو کہ حق تعالیٰ ہماری اصلاح فرمائیں انشاءاللہ تمہاری دعاء مقبول ہوگی۔

## عدم قبولیت دعاء کی وجہ

بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ ہم نے تو بہت دعائیں کیں قبول ہی نہیں ہوتیں حالانکہ وعدہ ہے (ادعونی استجب لکم) مگر صاحبو! آپ نے قبولیت دعا کے یہ معنی سمجھے ہیں کہ جو مانگا تھا وہی مل جائے۔ اس کو تو قرآن نے ایک جگہ صاف کر دیا ہے: ﴿فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ﴾ (۲) دیکھئے انشاء کی قید موجود ہے کہ تم جب دعاء کرتے ہو تو اگر حق تعالیٰ چاہتے ہیں اس مصیبت کو زائل کر دیتے ہیں اور یہ بھی وعدہ اس وقت ہے جبکہ ہماری دعاء دعاء بھی ہو۔ یہاں تو دعا کی صورت ہی ہوتی ہے حقیقت کا پتہ بھی نہیں ہوتا۔ دعاء کی حقیقت یہ ہے کہ ظاہر و باطن درست کر کے دل سے مانگی جائے

(۱) سورۂ انعام: ۴۱۔

دیکھئے اگر کوئی شخص حاکم کے پاس درخواست لے کر جائے مگر حلیہ یہ ہو کہ سر سے پیر تک گوہ میں لپٹا ہو تو کیا اس کی درخواست قبول ہوسکتی ہے ہرگز نہیں بلکہ دور ہی سے نکال دیا جائے گا۔ کیونکہ ایسی حالت سے کوئی شخص دربار میں نہیں جاسکتا اب اپنا ظاہر دیکھئے کہ از سرتا پا حرام سے بھرا ہوا ہے۔ غذا اکثر حرام ہوتی ہے اکثروں کی کمائی حرام کی ہوتی ہے تو اس حالت میں دعا کیا قبول ہو۔ ایک حدیث شریف میں وارد ہے۔

یہ حالت وارد ہے (مطعمہ حرام و مکسبہ حرام فانی یستجاب )(۱) اگر ظاہر کسی نے درست بھی کرلیا تو دل سے دُعاء نہیں نکلتی شاید ایک دومرتبہ تو کسی کی آنکھ میں دعا کرتے ہوئے آنسو آگئے ہوں گے ورنہ آموختہ سا(۲) پڑھ لیا جاتا ہے۔ کیا درخواست ایسی ہی ہوا کرتی ہے کیا کوئی حاکم کی طرف پیٹھ کرکے بھی درخواست دے سکتا ہے مگر ہم حق تعالیٰ سے ہمیشہ اسی طرح دعا مانگتے ہیں۔ کیونکہ دل اس طرف متوجہ نہیں ہوتا مارا مارا پھرتا ہے۔

اور حدیث شریف میں ہے: (ان اللّٰہ لا یستجیب الدعاء عن قلب لاہٍ) کہ خدا تعالیٰ غافل دل سے دعا کو قبول نہیں فرماتے اور اگر کوئی کہے کہ اچھا اکثروں کی دعاء قابل قبول نہیں تو کیا کسی کی بھی قابل قبول نہیں ہوتی کوئی تو اللہ کا بندہ دل سے دعا کرتا ہوگا میں کہتا ہوں کہ آپ کے پاس اس کی کیا دلیل ہے کہ وہ دعاء مقبول نہیں ہوئی ممکن ہے کہ جو کچھ تھوڑی بہت عزت وراحت ہے وہ اسی دعاء کی برکت سے ہو ورنہ نہ معلوم کیا حالت ہوجاتی۔

---

(۱) اس کا کھانا اور کمائی سب حرام ہے تو پھر اس کی دعاء کہاں قبول ہوسکتی ہے (۲) رٹے رٹائے جملے۔

## آیت سے استشہاد

یہ تھا ضروری مضمون جو بفضلہٖ تعالیٰ بیان ہوگیا۔اب یہ بات رہی کہ اس آیت میں یہ اشارہ کہاں ہے اور کس طرح ہے تو سنئے ان شبہات وجوابات کی طرف عزیز حکیم میں ارشارہ ہے۔ جب فرمایا گیا کہ حق تعالیٰ شانہ غالب ہے تو شبہہ پیدا ہوا کہ پھر اہل حق کو پستی اور مغلوبیت کیوں ہوتی ہے اس کے جواب کے لئے حکیم ارشادفرمایا کہ وہ پستی اور مغلوبیت اس لئے نہیں ہوتی کہ حق تعالیٰ غالب نہیں بلکہ کسی حکمت سے ہوتی ہے کیونکہ حق تعالیٰ حکیم بھی ہیں تو کسی حکمت کی وجہ سے کبھی اہل حق پستی میں آجاتے ہیں تو سارے شبہات العزیز کی وجہ سے پیدا ہوئے اور ان شبہات میں کچھ استبعاد(۱) نہیں کیونکہ ان کا منشاء بھی ایک صفت خداوندی ہے۔لیکن شبہہ کرنے والوں نے صفت حکمت پر نظر نہیں کی ورنہ پریشانی نہ ہوتی اس پر مجھے ایک حکایت یاد آئی اُسی پر بیان ختم کرتا ہوں۔اور وہ حکایتی میری ہی ہے۔

## مثنوی کے اشعار سے شبہات کا جواب

ایک مرتبہ مجھ پر ایک وسوسہ کا غلبہ ہوا کیونکہ جب طلب دل میں ہوتی ہے تو اس میں وساوس سے طرح طرح کی پریشانی ہوتی ہے اور اس وجہ سے ہم آپ کے ان شبہات کے بھی ممنون ہیں۔ کیونکہ اس سے معلوم ہوا کہ طلبِ دین کی دل میں ہے۔غرض مجھے یہ پریشانی لاحق ہوئی کہ خدا تعالیٰ کے طالب بہت سے ہیں اور خداوند جل علی کو ان کا علم بھی ہے اور قدرت بھی سب طرح کی ہے وہ قادر ہیں کہ جب چاہیں واصل کریں اور اسی کے ساتھ رحمت بھی ہے۔ اور رحمت کا مقتضا قدرت کے ساتھ مل کر یہ تھا کہ طالب کو فوراً واصل کردیں دیر کیوں ہوتی ہے

(۱) ان شبہات کا پیدا ہونا کوئی ناممکن نہیں ہے۔

اس خیال سے طبیعت بہت پریشان ہوتی اس وقت میرے پاس مثنوی شریف تھی میں نے مثنوی کو کھول کر دیکھا کہ شاید میرے اس شبہ کا اس میں کچھ جواب ملے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ مولانا کی روح آ کر بتلا گئی بلکہ مطلب یہ ہے کہ بزرگوں کے کلام میں برکت ہوتی ہے پریشانی میں اس کو کھول کر دیکھنے سے کوئی بات من جانب اللہ ایسی نکل آتی ہے جس سے تسلی ہوجاتی ہے۔ چنانچہ اس وقت اس شبہ کا عجیب جواب نکلا بلکہ تمام شبہات کی تقریر پہلے موجود تھی پھر جواب موجود تھا وہ اشعار یہ تھے ؎

چارہ می جوید پئے من دردتو مے شنودم دوش آہِ سردتو(۱)
می توانم ہم کہ بے ایں انتظار رہ نمایم داد ہم راہ گزر

اس میں قدرت کا ثبوت ہے کہ ہم قادر ہیں کہ تمہیں رستہ بتلادیں ؎

تا ازیں طوفان دوراں وارہی برسر گنج وصالم پانہی

یعنی ہمیں قدرت ہے کہ ہم تم کو فوراً واصل کردیں اور ان پریشانیوں سے چھوٹ جاؤ اس میں رحمت کا ذکر ہے ان سب مقدمات کی تسلیم کے بعد ایک نئے مقدمہ پر تنبیہ ہے اور اسی میں جواب ہے یعنی یہ سب ٹھیک ہے مگر تم ایک بات سے چوک گئے ہو اس پر نظر نہیں کی ؎

لیک شیرنی ولذات مقر ہست بر اندازہ رنج سفر(۲)

اس میں بیان ہے حکمت کا یعنی یہ تمام تاخیر اور دیر اس لئے ہورہی ہے تاکہ اس کے بعد جب تمکین حاصل ہو تو اس کی قدر ہو اور لذت زیادہ حاصل ہو ؎

(۱) ''یعنی میرے واسطے تیری طلب علاج تلاش کررہی ہے اور میں آہ سرد بھی سن رہا ہوں اس میں طلب کی تسلیم اور علم کا اثبات ہے'' (۲) یعنی اپنی قرارگاہ کی لذت تعب سفر کی مقدار پر معلوم ہوا کرتی ہے جتنی تکلیف سفر میں ہوئی ہوگی اسی قدر لطف گھر پہنچ کر آئے گا۔

آنگہ از فرزند و خویشاں برخوری کز غریبی رنج و محنت ہابری

یعنی ان پریشانیوں میں حکمت یہ ہے کہ اس کے بعد جو دولت ملے گی اس کی قدر ہوگی۔

ہر کہ او ارزاں خرد ارزاں دہد گوہر طفلے بقرص ناں دہد(۱)

خلاصہ یہ کہ اس مقام پر تمام مقدمات شبہات کو تسلیم کر کے ایک نیا مقدمہ بتلا کر سب کا جواب دے دیا جس سے ہم بے خبر تھے بعینہ یہی حال ہمارا ہے کہ ایک مقدمہ سے غافل ہو رہے ہیں یعنی صفت حکیم سے اس لئے شبہات سے پریشانی ہے اس صفت پر غور کرنے سے تمام شکوک حل ہو جائیں گے۔

## مولوی صاحب کے اشکال کا جواب

اس وقت ایک ولایتی مولوی صاحب نے کھڑے ہو کر بآواز بلند سوال کیا کہ قرآن میں ہے ﴿اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ﴾ تو غیر صالحین ارض کے مالک ہیں فرمایا کہ اس سے مراد امت محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے اور یہ آیت پیشین گوئی ہے جو کہ پوری بھی ہو چکی قاعدہ کلیہ نہیں کہ ہمیشہ صالحین ہی مالک ہوں گے یعنی مطلقہ ہے دائمہ نہیں جس سے شبہ کیا جائے۔

## اختتام وعظ

اس کے بعد فرمایا کہ اب میں وعظ ختم کر چکا ہوں ایک ضروری گذارش کرتا ہوں کہ جب میں نے وعظ کا وعدہ کیا تھا تو یہ وعدہ بھی لیا تھا اور کوئی صاحب تقریر نہ کریں اس کو شاید کوئی صاحب تفرد پر محمول فرماویں لیکن یہ تو خدا کو معلوم ہے کہ میری کیا نیت ہے پھر مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ مجھے جلسہ کا صدر بنایا گیا ہے اس لئے

(۱) جو کوئی سستی خریدتا ہے سستی ہی دے دیتا ہے، جیسے ایک بچہ روٹی کے ٹکڑے کے عوض قیمتی ہیرا دے دیتا ہے۔

میں اس وعدہ کی بنا پر بھی اور بحیثیت صدارت بھی منع کرتا ہوں کہ اب کوئی صاحب تقریر نہ کریں۔ البتہ اس کے بعد شاید امام صاحب کچھ فرمائیں تو اس کو سن لیجئے گا وہ شاید چندہ کی تحریک فرمائیں گے۔ اب دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ شانہٗ ہمارے اعمال کو درست فرمادیں۔ آمین (۱)

**واخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین وصلی اللّٰہ تعالیٰ وسلم علیٰ خیر خلقہٖ سیدنا ومولانا محمد وعلیٰ الہٖ واصحابہٖ اجمعین ۔**

خلیل احمد تھانوی
یکم اکتوبر/ ۲۰۱۱

صلی اللہ علیہ وسلم